# اُردو کی آٹھویں کتاب

آٹھویں جماعت کے لیے




ناشر

مُعلّم پبلشنگ کمپنی۔ اُردو بازار۔ لاہور

برائے پنجاب ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور

کتاب بہترین ساتھی ہے
اس سے پیار کیجیے
اسے ضائع ہونے سے بچائیے

# اپیل

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ایک قومی ادارہ ہے جو پنجاب کے طلبہ کے لیے معیاری اور سستی نصابی کُتب بروقت مہیا کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ مگر کچھ جعل ساز ناجائز منافع کے لیے بورڈ کی شائع کردہ کُتب کے جعلی ایڈیشن گھٹیا کاغذ پر ناقص طباعت کے ساتھ مارکیٹ میں فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بورڈ کو مالی نقصان پہنچانے کے علاوہ اس کی بدنامی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ طلبہ اور والدین سے توقع کی جاتی ہے کہ ایسی کُتب کی اطلاع بورڈ کو دیں تاکہ ضروری سدِباب کیا جا سکے۔ بورڈ کی نصابی کتابوں کی نشاندہی بورڈ کے اس نشانِ خصوصی سے ہوتی ہے جو ہر کتاب کے سرورق پر چھپا ہوتا ہے۔

عبدالوحید
چیئرمین
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-2-گلبرگ-3-لاہور

# اُردو کی آٹھویں کتاب

آٹھویں جماعت کے لیے





ناشر

**مُعلّم پبلشنگ کمپنی۔ اُردو بازار۔ لاہور**

برائے

**پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ○ لاہور**

| تاریخ اشاعت | اشاعت | طباعت | تعداد اشاعت |
|---|---|---|---|
| مارچ ۱۹۸۶ء | اوّل | اوّل | ۱۰،۰۰۰ |

تیّار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور
منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان

مُصنّفین:

ڈاکٹر اصغر علی شیخ

محمّد اِسحٰق جلال پُوری

ایم۔ اسلم کمبوہ

بیگم قمر جبیں سیّد

ڈی۔ ایم شفیقی عہدی پُوری

نگران: راجا رشید محمود

خطّاط: جمیل احمد قُریشی تنویر رقم

ناشر: سیّد محمد علی زیدی
مُعلّم پبلشنگ کمپنی، اُردو بازار، لاہور

پرنٹر: سیمون برادرز پرنٹنگ پریس، اردو بازار لاہور

# فہرستِ اسباق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

# ۱۔ حمد

قبضہ ہو دِلوں پر کیا اَور اِس سے سِوا تیرا
اِک بَندۂ نافرماں ہے، حَمد سَرا تیرا

گو سب سے مُقدّم ہے، حَق تیرا اَدا کرنا
بَندے سے مگر ہوگا، حق کیونکہ اَدا تیرا

مَحرم بھی ہے اَیسا ہی، جَیسا کہ ہے نامَحرم
کُچھ کہ نہ سکا جس پر یاں بھید کُھلا تیرا

چِھپتا نہیں نظروں میں، یاں خِلعتِ سُلطانی
کملی میں مَگن اَپنی، رہتا ہے گدا تیرا

عظمت تِری مانے بِن، کُچھ بَن نہیں آتی یاں
ہَیں خِیرہ و سَرکش بھی، دَم بھرتے سَدا تیرا

تُو ہی نظر آتا ہے، ہر شَے پہ مُحِیط اُن کو
جو رَنج و مُصِیبت میں، کرتے ہَیں گِلہ تیرا

آفاق میں پھیلے گی، کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لِیے پھرتی ہے، پَیغام صبا تیرا

ہر بول تِرا دِل سے ٹکرا کے گُزرتا ہے
کُچھ رنگِ بیاں حالؔی، ہے سَب سے جُدا تیرا

(اَلطاف حُسین حالؔی)

# مشق

ا — مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ل - حمد اور مدح میں کیا فرق ہے ؟

ب - اس نظم میں شاعر نے کس کو مخاطب کیا ہے ؟

ج - بندے پر خدا کا کیا حق ہے ؟

د - خدا کا حق کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے ؟

ہ - تیسرے شعر میں محرم اور نامحرم سے کیا مراد ہے ؟

۲ — ان لفظوں کے معنی لغات میں تلاش کر کے کاپی میں لکھیے :۔

مقدّم - خلعت - خیرہ و سرکش - محیط - آفاق -

۳ — مندرجۂ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔

حمدسرا - خلعتِ سلطانی - خیرہ و سرکش - عظمت - محیط -

۴ — اس شعر کی تشریح کیجیے :۔

تُو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو
جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلہ تیرا

۵ — پہلے اور آخری شعر کی نثر کیجیے -

۶ — "نافرمان" پر غور کیجیے - اس میں "فرمان" سے پہلے "نا" لگایا گیا ہے - اسے "سابقہ" کہتے ہیں ، جس سے "فرمان" کے معنی بدل گئے ہیں - اسی طرح کے چند اور الفاظ جمع کیجیے ، جن کے ساتھ "نا" کا سابقہ لگایا گیا ہو - مثلاً نالائق ، نااہل وغیرہ -

---

# ۲۔ عیدِ میلادُ النّبیؐ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

عیدِ میلادُ النّبیؐ ہر سال بارہ ربیعُ الاوّل کو منائی جاتی ہے۔ یہ مُبارک دِن حضور نبیٔ اکرم، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ، کی وِلادتِ باسعادت کا دِن ہے۔ یہی وُہ دِن ہے، جس کی آمد سے کُفر و شِرک کا اندھیرا دُنیا سے مِٹ گیا۔ لوگوں کو ایک خُدا کی معرفت حاصِل ہُوئی۔ ظُلم و جَور کا خاتمہ ہو گیا۔ غُلام اَور آقا کی تمیز ختم ہو گئی۔ رنگ، خُون اَور نسل کے اِمتیازات اُٹھ گئے۔ عورت کو مرد کے برابر درجہ مِلا۔ دُختر کُشی کا سدِّباب ہو گیا۔ وُہ جو بکریوں کو پہلے پانی پلانے اَور گھوڑا آگے بڑھانے پر ایک دُوسرے کے جانی دُشمن بَن جاتے تھے، بھائی بھائی بَن گئے۔ اُن کی صدیوں پُرانی دُشمنیاں ختم ہو گئیں۔ جہالت کے بادل چھٹ گئے اور رَوشنی کا ایک نیا دَور شرُوع ہُوا۔

عیدِ میلادُ النّبیؐ کا دِن ایسا ہے، جسے مُسلمان کبھی بھُول نہیں سکتے۔ یہ اِنسانیّت کی آزادی اَور نجات کا دِن ہے۔ یہ یومِ رحمت ہے۔ یہ دینِ اِسلام کی تکمیل کا پیغام لانے والے کا یومِ وِلادت ہے اور دینِ حق کی بُنیاد رکھّے جانے کا دِن ہے۔ یہی وُہ روز ہے، جب کِسرٰی کے محل کے چوَدہ کِنگرے گِر گئے۔ آتش کدے بجھ گئے اَور خانۂ کعبہ میں رکھّے ہُوئے بُت مُنہ کے بَل گِر پڑے۔

ربیعُ الاوّل کا مہینا شرُوع ہوتے ہی مُسلمان عیدِ میلادُ النّبیؐ کی خُوشی منانا شرُوع کر دیتے ہیں۔ گھر گھر مِیلاد کی محفلیں مُنعقِد ہونا شرُوع ہوتی ہیں۔ مَسجِدوں میں مِیلادُ النّبیؐ کے جلسے مُنعقِد ہوتے ہیں، جن میں عُلما سِیرتِ رسُولؐ کے مُختلِف پہلوؤں پر رَوشنی ڈالتے ہیں، لیکن بارہ ربیعُ الاوّل کو مُسلمانوں کی خُوشی اِنتہا کو پہُنچ جاتی ہے۔ اُس دِن عید کا سا سماں ہوتا ہے۔ درُود و سَلام کی صدائیں بُلند ہوتی ہیں، مُسلمان نوافل پڑھتے ہیں، خیرات کرتے ہیں اَور کھانا پکا کر غربا میں تقسیم کرتے ہیں۔ بچّے، جوان اَور بُوڑھے سبھی رسُولؐ اللہ کی محبّت میں سرشار ہوتے ہیں۔

گلیوں اور بازاروں کو رنگا رنگ جھنڈیوں اور برقی قمقموں سے سجایا جاتا ہے۔ رات کو چراغاں ہوتا ہے۔ مختلف انجمنیں اپنے اپنے گلی محلّوں اور علاقوں کو سجاتی ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتی ہیں۔ نعت خوانوں کی ٹولیاں نعتیں پڑھتی ہیں۔ میلاد کی محفلوں میں علما تقریریں کرتے ہیں، جن میں حضورؐ کی ولادتِ باسعادت کا ذکر ہوتا ہے اور دنیا میں آپؐ کی تشریف آوری سے دنیا والوں کو جو برکات حاصل ہوئیں، اُن کا تذکرہ ہوتا ہے۔ حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ کے بیان سے مسلمانوں کے ایمان کو تازہ کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں عیدِ میلاد کا دن سرکاری طور پر منایا جاتا ہے۔ اِس روز پورے مُلک میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ مسجدوں میں سیرتِ پاک کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ مُلک کے استحکام اور عالمِ اسلام کے اتّحاد اور مسلمانوں کی آزادی و سربلندی کی دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اخبارات اور رسائل خصوصی نمبر شائع کرتے ہیں، جن میں حضورِ اکرمؐ کی حیاتِ طیّبہ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے بھی خصوصی پروگرام نشر ہوتے ہیں، جن میں نعت خوانی، سیرتِ پاک پر تقریریں اور مذاکرے شامل ہیں۔

بڑے بڑے شہروں میں شاندار جلوس نکالے جاتے ہیں۔ ان جلوسوں میں ہر عمر کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ کوئی گھوڑے پر سوار ہے، کوئی اونٹ پر بیٹھا ہے۔ شہر کے قرب و جوار سے لوگ تانگوں، بیل گاڑیوں اور ٹرکوں پر چلے آتے ہیں۔ ان گاڑیوں پر لاؤڈ سپیکر لگے ہوتے ہیں، جن سے درود و سلام اور نعتِ رسولِ مقبولؐ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ جو لوگ جلوس میں پیدل شریک ہوتے ہیں اُن کے ہاتھوں میں جھنڈے ہوتے ہیں۔ جلوس میں شامل ہونے والے رنگا رنگ کے لباس پہنے ہوتے ہیں۔ بہت سے نوجوان عربی لباس زیبِ تن کیے دکھائی دیتے ہیں۔ جلوس کا تمام راستہ رنگا رنگ جھنڈیوں اور مختلف رنگوں کے برقی قمقموں سے آراستہ ہوتا ہے۔ جگہ جگہ آرائشی دروازے اور محرابیں بنائی جاتی ہیں۔ ان دروازوں اور محرابوں پر خانۂ کعبہ اور مسجدِ نبویؐ کی تصاویر آویزاں ہوتی ہیں۔ جلوس کے راستے میں جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ جلوس میں شرکت کرنے والوں کے علاوہ

ہزاروں کی تعداد میں لوگ جلوس کے راستے پر موجود ہوتے ہیں۔ جلوس کی ٹولیاں جگہ جگہ رُک کر نعت خوانی کا مقابلہ کرتی ہیں۔ جب جلوس ختم ہو جاتا ہے، تو منتظمین ان ٹولیوں میں انعامات تقسیم کرتے ہیں۔

حضورؐ کی ولادت کا دن انسانیت کی سربلندی کا دن ہے۔ یہ دن اہلِ عالم کو امن و سلامتی، احترامِ آدمیت اور خداشناسی کا پیغام دیتا ہے۔ اس دن کو منانے کا صحیح طریقہ اور اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمان حضورؐ کی سیرت و کردار کی یاد تازہ کریں اور اپنی زندگیوں کو آپؐ کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں، اپنے تمام معاملات، لین دین اور کاروبار میں اُن طریقوں کو اپنائیں، جو حضورؐ نے اپنی اُمت کو سکھائے اور جن پر خود عمل کر کے ایک پاکیزہ اور بلند نمونہ قائم کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ دنیا بھر میں حضورؐ کی تعلیمات کو عملی صورت میں پھیلائیں اور ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جو اسلام کی صداقت کا مظہر ہو۔ عیدِ میلاد کے موقع پر پاکیزگی، نفاست اور روشنی کا اہتمام محض نمائش نہیں بلکہ ایک مقدس عہد کی علامت ہے۔ ہر مسلمان عیدِ میلاد منا کر دراصل اس عہد کی تجدید کرتا ہے کہ وہ خود اچھا انسان بنے گا اور دوسروں کو اچھا انسان بننے کی تلقین کرے گا۔ اس دن جس طرح وہ اپنے قریبی ماحول کو پاک اور روشن کرنے کی کوشش کر رہا ہے اسی طرح وہ پوری دنیا میں نیکی اور پاکیزگی کی روشنی پھیلانے کی کوشش کرے گا۔

عیدِ میلاد کا دن تو سال میں ایک ہی بار آتا ہے، مگر اس کے تقاضے پوری زندگی پر پھیلے ہوئے ہیں، جو محض ایک دن کی خوشی منا لینے سے پورے نہیں ہوتے۔ ہم مسلمانوں کو حضورؐ کی تعلیم کا وارث بنایا گیا ہے۔ اب یہ ہمارا فریضہ ہے کہ حضورؐ کی مقدس ذات، آپؐ کی شفقت و رحمت اور آپؐ کی انسان نوازی سے اہلِ عالم کو متعارف کرائیں۔ حضورؐ نے انسانوں میں پستی و بلندی کے معیار بدل دیے تھے۔ آپؐ نے مصنوعی حدبندیوں کو دور کر کے انسانوں کو ایک اور صرف ایک ملت بنا دیا تھا اور واضح طور پر اعلان فرمایا تھا کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر پرہیزگاری کے سوا کوئی امتیاز اور برتری حاصل نہیں ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے، جس

پر نہ صرف عالمِ اسلام کے اتّحاد بلکہ عالمگیر برادری کی عمارت اُستوار کی جا سکتی ہے۔
ہم مسلمان اگر حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں اور اپنے گردوپیش کو حضورؐ کی سیرت کی روشنی سے منوّر کرنے کی سعی کریں، تو یقیناً انسانیت کو وُہ تمام سربلندیاں حاصل ہو جائیں، جن کی تلاش میں وُہ صدیوں سے سرگرداں ہے۔

---

## مشق

۱۔ مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب دیجیے:

ا۔ عیدِ میلاد کے موقع پر کس قسم کی تیاریاں کی جاتی ہیں؟

ب۔ حضورؐ کی وِلادت کا دِن منانے کا اصل مقصد کیا ہے؟

ج۔ عیدِ میلاد کا دِن ہمیں کیا پیغام دیتا ہے؟

۲۔ مندرجۂ ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:۔

وِلادتِ باسعادت ۔ معرفت ۔ سدِّباب ۔ سرشار ہونا ۔ اخلاقِ حسنہ ۔ مذاکرہ ۔ لطف اندوز ہونا ۔ اِحترامِ آدمیّت ۔ تجدید ۔ فریضہ ۔

۳۔ کسی عید یا دیگر تقریب کا آنکھوں دیکھا حال دلچسپ طریقے سے بیان کیجیے۔

۴۔ آپ اپنے سکول میں عیدِ میلاد کے موقع پر جلسہ کرنا چاہتے ہیں۔ اِس جلسے کا پروگرام بنائیے اور لوگوں کو اس میں بُلانے کے لیے ایک دعوت نامہ مُرتّب کیجیے۔

۵۔ "اتّفاقاً" میں تنوین استعمال ہوئی ہے۔ ایسے پانچ الفاظ اور بنائیے۔

۶۔ درجِ ذیل مرکّبات میں سے سابقے الگ کیجیے:۔

درپردہ ۔ بے مُروّت ۔ نادان ۔ پُردرد ۔ باعزّت ۔

۷۔ اِس سبق میں سے چار مرکّبِ توصیفی تلاش کیجیے۔

---

# ۳۔ فرمُوداتِ قائدِاعظمؒ

قیامِ پاکستان کے بعد قائدِاعظمؒ اگرچہ صِرف ایک سال اور چند دِن ہی زندہ رہے، ن جب تک جیے، پاکستان کے لیے جیے اور اپنی تقریروں، بیانات اور پیغامات کے یے پاکستانیوں کے دِلوں کو گرماتے رہے ۔ آپ کے فرمُودات ہمارے لیے آج مشعلِ راہ ہیں ۔

قیامِ پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی ہندُوؤں نے قتل و غارت کا بازار گرم دیا، مُسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دی، جائدادیں لُوٹ لیں اور نہتّے مُسلمانوں ے خُون سے ہولی کھیلی ۔ جو لوگ اِس قتل و غارت سے بچ گئے، وُہ قافلہ در قافلہ ستان پُہنچ رہے تھے ۔ قائدِاعظمؒ نے اِن حالات میں پاکستانیوں کو اُن کی اُولُوالعزمی مستقل مزاجی کی تاریخ کی یاد دِلاتے ہُوئے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں اپنے ایک نشری بیان ں فرمایا:

"اگرچہ اُفق پر تاریکی کے بادل چھائے ہُوئے ہیں، لیکن مَیں آپ سے اپیل کرتا ہُوں اور قوم کے نام پیغام دیتا ہُوں کہ اپنے دِلوں میں جذبہ اور جوش و خروش پیدا کیجیے اور حوصلے اور اُمّید کے ساتھ اپنا کام کرتے جائیے ۔ اِن شاءَ اللہ کامیابی ہماری ہے ۔ کیا ہم مایُوس ہو کر بیٹھ جائیں؟ ہرگز نہیں ۔ اِسلام کی تاریخ اُولُوالعزمی، عالی حوصلگی اور مُستقل مزاجی کی مِثالوں سے بھری پڑی ہے ۔ پس مُشکلوں، رُکاوٹوں اور مُصیبتوں کے باوُجُود آگے بڑھتے جائیے ۔ مُجھے یقین ہے کہ سات کروڑ کی ایسی مُتّحدہ قوم، جو عظیم اِرادے کی مالِک ہو، عظیم تہذیب رکھتی ہو، عظیم تاریخ کی وارِث ہو، اُسے کِسی قِسم کا خوف نہیں ہونا چاہیے ۔ اب یہ آپ پر ہے کہ کام کریں ۔ کام ۔ کام ۔ کام ——
کامیابی ہمارا مُقدّر ہے اور اپنا یہ نعرہ کبھی نہ بھولیے ——

اِتّحاد، اِیمان، نظم"۔
پاکستان کا اِبتدائی دَور بڑا کٹھن دَور تھا۔ تجارت اَور صنعت کے میدان میں اَبتری پھیلی ہُوئی تھی۔ اِن حالات سے فائدہ اُٹھا کر ذخیرہ اندوزی، مُنافع خوری اَور چوربازاری کرنے والوں نے پاکستانی قَوم کا خُون چُوسنا شرُوع کر دِیا۔ قائدِاعظمؒ نے اِن مُعاشرتی بُرائیوں کا جائزہ لِیا اَور اُن میں مُلوّث لوگوں کو بر وَقت تنبیہ کی کہ فوراً اِن بُرائیوں کو ترک کر دیں۔ چُنانچہ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ولیکا ٹیکسٹائل مِلز، کراچی کا اِفتتاح کرتے ہُوے فرمایا:-

"مَیں اُن لوگوں سے مُخاطِب ہُوں، جِنھوں نے عوام کے مَفاد کو پسِ پُشت ڈال کر ذخیرہ اَندوزی اَور مَنافع خوری سے ہاتھ رَنگے ہَیں۔ مَیں اُن سے مُطالبہ کرتا ہُوں کہ وُہ اپنا غیرفطری رَوِیّہ فوراً ترک کر دیں۔ پاکستان میں ذخیرہ اندوزوں اَور مَنافع خوروں کے لِیے کوئی جگہ نہیں۔ وُہ قَوم کے جِسم کو مُہلک مَرض بَن کر کھاتے چلے جا رہے ہَیں۔ ان کو نیست و نابُود کر دِیا جائے گا"۔

طالب عِلموں نے حُصُولِ پاکستان کی جِدّ وجہد میں ہراوَل دَستے کا کام کِیا تھا۔ قائدِاعظمؒ کو اَپنی قَوم کے طالب عِلم نوجوانوں پر فخر تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ طالب عِلموں نے پاکستان کے قیام کے لِیے جس جَذبے اَور لگن سے کام کِیا تھا، اُسی جَذبے اَور لگن کے ساتھ اُس کی تعمیر و ترقّی اَور اِستحکام کے لِیے کوشش کریں۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں طَلَبہ کے ایک عظیم اِجتماع سے خطاب کرتے ہُوے اُنھوں نے فرمایا:-

"آپ کی بَھلائی، آپ کے والِدَین کی بھلائی، بلکہ ساری مملکت کی بھلائی اِس میں ہَے کہ آپ کی توَجّہ صِرف تحصِیلِ علم کے لِیے وَقف رہے۔ صِرف اِس طرح آپ خُود کو زِندگی کی جنگ کے لِیے مُسلّح کر سکتے ہَیں۔ اُس زِندگی کی جنگ کے لِیے، جو آپ کو عنقرِیب پیش آنے والی ہَے۔ صِرف اِسی طرِیقے سے آپ اپنی مملکت کے لِیے طاقت اَور فخر کا سرچشمہ بَن سکتے ہَیں اَور اُن مسائل کے حَل کرنے

میں مَدد دے سکتے ہیں، جو اِس مملکت کو مُعاشرتی اور معاشی میدان میں درپیش ہیں ۔ صِرف اِسی صُورت سے آپ اِسے دُنیا کی ایک عظیم ترین، طاقت ور اور ترقّی یافتہ قوم بنا کر منزلِ مقصُود تک پہنچا سکتے ہیں"۔

پاکستان حاصل کرنے کے لیے پنجاب، سِندھ، سَرحد اور بلوچستان کے مُسلمانوں نے مُتّحد ہو کر کوشش کی تھی ۔ یہی قومی اِتّحاد پاکستان کی بقا اور اِستحکام کی بُنیاد ہے، لیکن پاکستان کے قائم ہوتے ہی اس کے دُشمنوں نے اِس اِتّحاد کو ختم کرنے اور مُلک کو نقصان پہنچانے کے لیے چار قومیتوں، یعنی پنجابی، سِندھی، بلوچی اور پٹھان کا نعرہ لگایا ۔ قائدِ اعظمؒ نے اِس خطرے کو فوراً بھانپ لیا اور جون ۱۹۴۸ء میں کوئٹہ کے شہریوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

"اَب ہم سَب پاکستانی ہیں، نہ بلوچی نہ پٹھان، نہ سِندھی نہ پنجابی ۔ ہمیں پاکستانی اور صِرف پاکستانی ہونے پر فخر ہونا چاہیے ۔ ہم جو کچھ محسوس کریں، جو کچھ عمَل کریں، جو قدم بھی اُٹھائیں، پاکستانی اور صِرف پاکستانی کی حَیثیت میں ۔ مَیں آپ سے کہتا ہُوں کہ جب بھی آپ کوئی نیا اِقدام کریں، تو پہلے رُک کر ذرا سوچ لیں کہ یہ آپ کی ذاتی یا مَقامی پسند و ناپسند کے زیرِ اثر ہے یا پاکستان کی فلاح و بہبُود کا خیال دُوسری سَب باتوں پر غالب ہے ۔ اگر ہر شخص یُوں اپنا مُحاسبہ کرے گا اور خُود کو مجبُور کر کے اپنے آپ پر اور دُوسروں پر ایمان داری کا اُصُول لاگُو کرنے کا عادی ہو جائے گا، تو مَیں دیکھ رہا ہُوں کہ پاکستان کا مُستقبل اِنتہائی رَوشن اور شاندار ہے"۔

آپ عالمِ اِسلام کے اِتّحاد کے بھی عَلَمبردار تھے ۔ اُس زمانے میں فِلسطین، اِنڈونیشیا اور کشمیر میں مُسلمانوں کے خلاف جو ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں، آپ نے تمام مُسلمانوں کو اُن سے آگاہ کیا اور مُتّحد ہو کر اُن سے نمٹنے کی دعوَت دی ۔ فِلسطین کی تقسیم کے بارے میں ایک اِنٹرویو کے دَوران آپ

نے فرمایا :۔

"فلسطین کے بارے میں ہمارے مؤقف کی وضاحت اقوامِ متّحدہ میں پاکستانی وفد کے سربراہ نے کر دی ہے ۔ مجھے اب بھی یہ اُمّید ہے کہ تقسیم کا منصوبہ ترک کر دیا جائے گا ۔ ورنہ ایک خوفناک ترین چپقلش کا شرُوع ہونا ناگزیر اور لازمی امر ہے ....... پُوری اسلامی دُنیا اس فیصلے کے خلاف عملی طور پر بغاوت کرے گی ، کیونکہ ایسے فیصلے کی حمایت نہ تاریخی اعتبار سے کی جا سکتی ہے نہ سیاسی اور اخلاقی طور پر ۔ایسی صورت میں پاکستان کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوگا کہ عربوں کی مکمّل اور غیر مشرُوط حمایت کرے اور خواہ مخواہ کے اشتعال اور دست درازیوں کو روکنے کے لیے جو کچھ اُس کے بس میں ہو، پُورے جوش و خروش سے برُوئے کار لائے ۔"

وطن کا دفاع ایک مقدّس فریضہ ہے اور اس کی ذمّہ داری مُلک کی مُسلّح افواج پر ہوتی ہے ۔ قائدِ اعظمؒ نے جہاں قوم کے دُوسرے طبقوں کو اُن کے فرائض سے آگاہ کیا ، وہاں وُہ اپنے جذبات سے افواجِ پاکستان کے دلوں کو بھی گرماتے رہے ۔ اس سلسلے میں آپ کا یہ بیان جذبۂ حُبّ وطن سے بھرپُور ہے :۔

"خُدا کی قسم ! جب تک ہمارے دُشمن ہمیں اُٹھا کر بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں ، ہم ہار نہ مانیں گے ۔ پاکستان کی حفاظت کے لیے میں تنہا لڑُوں گا ، اُس وقت تک لڑُوں گا ، جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور جسم میں خُون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے ۔ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنی پڑے ، تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور پہاڑوں میں ، جنگلوں میں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں ۔"

---

# مشق

۱ ۔ ان سوالوں کے جواب دیجیے :۔
ا ۔ قیامِ پاکستان کے موقع پر ہندوؤں نے مسلمانوں سے کیسا سلوک کیا ؟
ب ۔ قائدِ اعظمؒ نے معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے لیے کس طرح تنبیہ کی ؟
ج ۔ قائدِ اعظمؒ نے طالب علموں کو کیا نصیحت فرمائی ؟
د ۔ صوبائی تعصّب سے بچنے کے لیے قائدِ اعظمؒ نے قوم کو کس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی ؟
۲ ۔ قائدِ اعظمؒ کے کم سے کم دو فرمودات زبانی یاد کر کے انھیں اپنی کاپی پر لکھیے ۔
۳ ۔ الفاظِ ذیل کو حروفِ تہجّی کی ترتیب سے لکھیے اور ان کے معنی لغت میں تلاش کیجیے :۔
منتشر ۔ مشعلِ راہ ۔ جرم ۔ تیغ ۔ اولوالعزمی ۔ ذخیرہ اندوزی ۔ غیر فطری ۔
۴ ۔ اجسام ۔ اصول ۔ مقاصد ۔ طلبہ ۔ اقوام ۔ منازل کے واحد بتائیے ۔
۵ ۔ جس طرح "سابقہ" کسی لفظ سے پہلے لگا کر نیا لفظ بنایا جاتا ہے اسی طرح بعض لفظوں کے آخر میں کسی کلمے کا اضافہ کر کے نیا لفظ بنایا جاتا ہے ، جیسے : حیرت انگیز ( حیرت + انگیز ) ، ذخیرہ اندوز ( ذخیرہ + اندوز ) ، تجربہ گاہ ( تجربہ + گاہ ) وغیرہ ۔ ایسے اضافے کو "لاحقہ" کہتے ہیں ۔ ان مثالوں میں "انگیز" ، "اندوز" اور "گاہ" لاحقے ہیں ۔ آپ اس طرح کے پانچ الفاظ تلاش کر کے اپنی کاپی پر لکھیے ۔

---

# ۴۔ سلام

سلام، اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سُبحانی
سلام، اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی
سلام، اے ظلِّ رحمانی، سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
سلام، اے سرِّ وحدت، اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزّت افزائی، زہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربّانی
تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسّم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی
زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی
زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اِک ذرّے کو تابانی
حفیظِ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ اُلفت
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نورانی
ترا در ہو مرا سر ہو، مرا دل ہو ترا گھر ہو
تمنّا مختصر سی ہے، مگر تمہید طولانی
سلام، اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے
سلام، اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

(حفیظ جالندھری)

# مَشق

۱ - اِن سوالوں کے جواب دیجیے :-

ا - "آمِنہ کے لال" سے کون سی عظیم ہستی مُراد ہے ؟

ب - "محبُوبِ سُبحانی" اور "نورِ یزدانی" کا مفہوم واضح کیجیے -

ج - اِس کا کیا مطلب ہے کہ :-

(i) ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

(ii) ترے پرتَو سے مل جائے ہر اِک ذرّے کو تابانی

د - شاعِر نے آخری تین اشعار میں جن جذبات کا اظہار کیا ہے، اُسے اپنے لفظوں میں بیان کیجیے -

۲ - اِن تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :-

نقشِ قدم - عزّت افزائی - گلزارِ ہستی - گوشہ گوشہ -

۳ - "بے نوا" میں "بے" سابقہ ہے - ایسے پانچ الفاظ لکھیے، جن میں سابقہ استعمال ہُوا ہو -

۴ - چھٹے شعر کی نثر کیجیے -

۵ - مُذکّر و مُؤنّث الگ الگ کر کے لکھیے :-

سلام - نُور - قدم - زندگی - گلزار - عزّت - جلوہ - قسمت - گفتگو - زمانہ - کُوچہ - جبیں - گھر - زنجیر - خاک - ہستی -

۶ - آپ جانتے ہیں کہ "اسمِ عام" کو "اِسمِ نکرہ" بھی کہتے ہیں مثلاً دریا ، اُونٹ ، مسجد ، آسمان وغیرہ - "اسمِ نکرہ" کی کئی قسمیں ہیں - ان میں سے ایک کا نام "اِسمِ جنس" ہے ، جو کسی خاص چیز کے لیے نہیں ، بلکہ جنس کے لیے آتا ہے ، مثلاً گائے ، بکری ، نارنگی وغیرہ -

---

# ۵ ۔ گُزرا ہُوا زَمانہ

برس کی آخیر رات کو ایک بُڈّھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے ۔ رات بھی ڈراؤنی اَور اندھیری ہے ۔ گھٹا چھا رہی ہے ۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے ۔ آندھی بڑے زور سے چلتی ہے ۔ دِل کانپتا ہے اَور گھبراتا ہے ۔ بُڈّھا نہایت غمگین ہے ، مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے ، نہ اکیلے پن پر اَور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اَور آندھی کی گُونج پر اَور نہ برس کی آخیر رات پر ۔ وُہ اپنے پچھلے زمانے کو یاد کرتا ہے اَور جتنا یاد کرتا ہے ، اُتنا ہی غم بڑھتا ہے ۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہُوئے مُنہ پر آنکھوں سے آنسُو بھی بہے چلے جاتے ہیں ۔ پچھلا زمانہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے ۔ اپنا لڑکپن اُس کو یاد آتا ہے جبکہ اُس کو کسی چیز کا غم اَور کسی بات کی فکر دِل میں نہ تھی ۔ رُوپے اَشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی ۔ سارا گھر ماں باپ ، بہن بھائی اُس کو پیار کرتے تھے ۔ پڑھنے کے لیے چھُٹّی کے وقت جلد آنے کی خُوشی میں کتابیں بغل میں لیے مکتب چلا جاتا تھا ۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے ۔ وُہ اَور زیادہ غمگین ہوتا تھا اَور بے اِختیار چِلّا اُٹھتا تھا ، " ہائے وَقت ! ہائے گُزرے ہُوئے زمانے ! افسوس کہ مَیں نے تجھے بہُت دیر میں یاد کیا ........ " پھر وُہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا ۔ اپنا سُرخ سفید چہرہ ، سڈول ڈیل ، بھرا بھرا بدن ، رسیلی آنکھیں ، موتی کی لڑی سے دانت ، اُمنگ میں بھرا ہُوا دِل ، جذباتِ اِنسانی کے جوشوں کی خُوشی اُسے یاد آتی تھی ۔ اُس کی آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہُوئے زمانے میں ، ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اَور نیکی اَور خُدا پرستی کی بات بتاتے تھے " اَور یہ کہتا تھا کہ " اوہ ! ابھی بہُت وَقت ہے " ۔ اَور بُڑھاپے کے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا ۔ اُس کو یاد آتا تھا اَور اَفسوس کرتا تھا کہ کیا ہی اچّھا ہوتا ، اگر جب ہی مَیں اِس وَقت کا خیال کرتا اَور خُدا پرستی اَور نیکی سے اَپنے دِل کو سنوارتا اَور مَوت کے لیے تیار

رہتا! آہ، وقت گزر گیا۔ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس، میں نے اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ ابھی وقت ہے ہی!" یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے، ہولناک آندھی چل رہی ہے، درختوں کے پتّے اُڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلّا کر بولا" ہائے ہائے، میری گزری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے، جیسی یہ رات"۔ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آ کر بیٹھا۔ اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا یاد آئے، جن کی ہڈّیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبّت سے اُس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے۔ یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا! وقت گزر گیا۔ باپ کا نورانی چہرہ اُس کے سامنے ہے اور اُس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا! ہم تمھارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے۔ بھائی بہن دانتوں میں اُنگلی دیے خاموش ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسو کی لڑی جاری ہے۔ دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اب کیا کر سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں، جو اُس نے نہایت بے پروائی اور بے مروّتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ، بہن بھائی، دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا، باپ کو ناراض کرنا، بھائی بہن سے بے مروّت رہنا، دوست آشنا سے ہمدردی نہ کرنا، یاد آتا تھا۔ اور اِس پر اُن گلی ہڈّیوں سے ایسی محبّت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اُس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلّا اُٹھتا تھا کہ ہائے، وقت نکل گیا! ہائے وقت نکل گیا! اب کیونکر اس کا بدلہ ہو۔ وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اور ٹکراتا لڑکھڑاتا ہوا کھڑکی تک پہنچا۔ اُس کو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے، پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اُس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ اتنے میں اُس کو اپنا ادھیڑپن یاد آیا، جس میں نہ وہ جوانی رہی تھی، نہ وہ جوانی کا جوبن، نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جوش۔ اُس نے اپنی اُس نیکی کے زمانے کو یاد کیا، جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف

زیادہ مائل تھا۔ وُہ اپنا روزہ رکھنا، نمازیں پڑھنی، حج کرنا، زکوٰۃ دینی، بھُوکوں کو کھلانا، مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلّی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو، جن کی خدمت کی تھی، اپنے پیروں کو، جن سے بیعت کی تھی، اپنی مدد کو پکارتا تھا، مگر دل کی بے قراری نہیں جاتی تھی۔ وُہ دیکھتا تھا کہ اُس کے ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے۔ بھُوکے پھر ویسے ہی بھُوکے ہیں۔ مسجدیں ٹُوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں، کنوئیں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر۔ کوئی اُس کی آواز نہ سُنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اُس کا دل گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا۔ اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہ کر چلّا اُٹھا "ہائے وقت! ہائے وقت! میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا؟" وُہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اُس کے پٹ کھولے، تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے۔ آندھی تھم گئی ہے۔ گھٹا کھُل گئی ہے۔ تارے نکل آئے ہیں۔ اُن کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ وُہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُس کو آسمان کے بیچ میں ایک رُوشنی دِکھائی دی اور اُس میں ایک خُوب صُورت دُلھن نظر آئی۔ اُس نے ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شرُوع کیا۔ جُوں جُوں اُسے دیکھتا تھا، وُہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وُہ اُس کے بہُت پاس آ گئی۔ وُہ اُس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور نہایت پاک دل اور محبّت کے لہجے میں اُس سے پُوچھا کہ تُم کون ہو؟ وُہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہُوں۔ اُس نے پُوچھا کہ تُمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے؟ وُہ بولی، ہاں، ہے۔ نہایت آسان، پر بہُت مُشکل۔ جو کوئی خُدا کے فرض ادا کر کر انسان کی بھلائی اور بہتری میں سعی کرے، اُس کی میں مسخّر ہوتی ہُوں۔ دُنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ انسان کی نیکی ہی ایسی چیز ہے، جو اخیر تک رہے گی۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے، وُہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اُسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کی موت اِن سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادّی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں، مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی رُوح ہُوں۔ جو مجھ کو تسخیر

کرنا چاہیے، اِنسان کی بھلائی میں کوشش کرے۔ کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں دِل و جان سے ساعی ہو۔ یہ کہ کر وُہ دُلھن غائب ہو گئی اور بُڈھا پھر اپنی جگہ پر آن بیٹھا۔ اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی پچپن برس کی عُمر میں کوئی کام بھی اِنسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اِس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیے تھے، ثواب کے لالچ اور گویا خُدا کو رِشوت دینے کی نظر سے کیے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالِص نیّت سے کُچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اپنا حال سوچ کر وُہ اِس دِل فریب دُلھن کے مِلنے سے مایُوس ہُوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھ کر آیندہ کرنے کی اُمّید کُچھ نہ پائی۔ تب تو مایُوسی کی حالت میں بے قرار ہو کر چِلّا اُٹھا "ہائے وَقت! ہائے وَقت! کیا مَیں پھر تجھے بُلا سکتا ہُوں؟ ہائے! مَیں دس ہزار دینار دے دیتا، اگر وَقت پھر آتا اور مَیں جوان ہو سکتا۔" یہ کہ کر اُس نے آہِ سرد بھری اور بیہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر نہ گُزری تھی کہ اُس کے کانوں میں مِیٹھی مِیٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اُس کی پیاری ماں اُس کے پاس آ کھڑی ہُوئی۔ اُس کو پیار سے گلے لگا لیا۔ اُس کا باپ اُس کو دِکھائی دِیا۔ چھوٹے چھوٹے بہن بھائی اُس کے گِرد آ کھڑے ہُوے۔ ماں نے کہا "بیٹا! کیوں برس کے برس دِن روتا ہے؟ کیوں تُو بے قرار ہے؟ کِس لیے تیری ہچکی بندھ گئی ہے؟ اُٹھ، مُنہ ہاتھ دھو، کپڑے پہن، نَوروز کی خُوشی منا۔ تیرے بہن بھائی تیرے مُنتظر کھڑے ہیں۔ تب وُہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ مَیں نے خواب دیکھا اور خواب میں بُڈّھا ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اُس نے سُن کر اُس کو جواب دِیا کہ بیٹا! بس تُو ایسا مت کر، جیسا اُس پشیمان بُڈّھے نے کِیا، بلکہ ایسا کر، جیسا تیری دُلھن نے تجھ سے کہا۔ یہ سُن کر لڑکا پلنگ پر سے کُود پڑا اور نہایت خُوشی سے پُکارا کہ او ہو! یہی میری زِندگی کا پہلا دِن ہے۔ مَیں کبھی اِس بُڈّھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اُس دُلھن کو بیاہُوں گا، جِس نے ایسا خُوب صُورت اپنا چہرہ مُجھ کو دِکھلایا اور ہمیشہ زِندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتایا۔ او خُدا! او خُدا! تُو میری مدد کر۔ آمین! پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنو! اور اے میری قوم کے بچّو! اپنی قوم

کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت میں اُس بڈّھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔

(سر سید احمد خان

---

## مشق

۱۔ ذیل میں دیے گئے سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ بڈّھا اپنے لڑکپن کو کیوں یاد کرتا تھا ؟

ب ۔ جوانی کے زمانے میں بڈّھے کی طبیعت کن کاموں کی طرف مائل تھی ؟

ج ۔ بڈّھے کو آسمان کی روشنی میں کیا نظر آیا ؟

د ۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو اُس کی ماں نے اُسے کیا کہا ؟

ہ ۔ انسان کا کون سا عمل ہمیشہ زندہ رہتا ہے ؟

۲۔ رات کو ڈراؤنا ظاہر کرنے کے لیے مصنّف نے کون کون سے الفاظ لکھے ہیں ؟

۳۔ مندرجۂ ذیل کی جمع بنائیے :۔

فکر ۔ مکتب ۔ خیال ۔ وطن ۔ قوم ۔ ملک ۔ مذہب ۔

۴۔ ذیل کے سابقوں سے تین تین لفظ بنائیے :۔

اَن ۔ لا ۔ خوش ۔ ہم ۔

۵۔ مندرجۂ ذیل کو تہجّی کے لحاظ سے ترتیب دیجیے :۔

گونج ۔ کڑک ۔ ڈراؤنی ۔ ہاتھ ۔ دلھن ۔ ماں ۔ باپ ۔ بہن ۔ بھائی ۔

۶۔ اس سبق میں سے دس اسم نکرہ چن کر لکھیے، جیسے آدمی ۔ نیکی ۔ بھائی وغیرہ ۔

۷۔ "احمد نے کتاب پڑھی"۔ "اختر نے اکبر کو مارا"۔ ان جملوں میں "پڑھی"، "مارا" فعل ہیں اور وہ فعل ہیں، جن کا فاعل معلوم ہے ۔ ایسے افعال کو "فعلِ معروف" کہتے ہیں ۔ آپ اس سبق سے فعل معروف کی پانچ مثالیں دیجیے ۔

---

# ٦ - حضرتِ بلال، رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنہُ

عَرَب کا صحرا تھا، گرمیوں کا مَوسم اَور دوپہر کا وَقت! گرمی اِس قدر شدید کہ خُدا کی پَناہ! زمین بھٹّی کی طرح تَپ رہی تھی۔ ریت کے ذرّوں پر چنگاریوں کا گُمان ہوتا تھا۔ لُو کے جھونکے آگ کے لپکتے ہُوے شُعلے نظر آتے تھے۔ اِنسان تو اِنسان، پرِندے اَور چوپائے بھی باہر نکلنے سے گھبراتے تھے۔ اِس عالَم میں شہر سے باہر ایک نوجوان، تنومند غُلام زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا۔ اُسے جلتی ہُوئی گرم ریت پر چِت لِٹایا گیا تھا۔ اُس کے سینے پر دو بھاری پتّھر رَکھے ہُوے تھے۔ اُس کا ظالم آقا، کوڑا لِیے، اُس کے سَر پر کھڑا تھا۔ اُس مجبُور و بےکس غُلام کی تکلیف کا اَندازہ لگانا آسان نہیں۔ جِسم پتّھروں کے بوجھ تلے دَبا ہُوا تھا۔ بدن کی کھال ریت کی گرمی سے جل رہی تھی۔ زنجیروں کی وَجہ سے حَرکت تک کرنا مُمکِن نہیں تھا۔ اِس پر مَزید یہ کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد جِسم پر کوڑے بھی برسائے جاتے تھے۔ لیکن آفرین ہَے اُس کے صَبر و اِستِقلال پر! وُہ نہ آہ و بُکا کر رہا تھا، نہ گِلہ و فریاد۔ اُس کی زُبان پر ایک ہی کَلِمہ مُسَلسَل جاری تھا: "اَحَد، اَحَد" یعنی خُدا ایک ہَے۔ خُدا ایک ہَے۔

اُس کے ظالِم اَور سنگ دِل آقا کو اِسی کَلِمے سے چِڑ تھی۔ وُہ بُتوں کا پُجاری تھا اَور کئی خُداؤں کو ماننے والا تھا۔ وُہ کیوں کر برداشت کر سکتا تھا کہ اُس کا غُلام سارے بُتوں کو چھوڑ کر صِرف ایک خُدا پر اِیمان لے آئے، لیکن یہ باہمّت غُلام کُفر و شِرک سے بیزار ہو چُکا تھا۔ اُس نے جب سے حَضرتِ مُحمّد، صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہ وَ سَلّم، کا پیغام سُنا تھا، اُنؐ کی رِسالت پر اِیمان لے آیا تھا۔ وُہ سچّے دِل سے خُدائے واحِد کی عبادت کرتا تھا اَور حَضرتِ مُحمّدؐ کا پیرو بن گیا تھا۔ اُس دِلاور نوجوان نے اپنا عقیدہ چُھپا کر نہیں رکھّا تھا۔ اِسی کا نتیجہ تھا کہ اُس کا مالِک، جو مُشرِک تھا، اُس کی جان کا دُشمن بَن گیا تھا۔ وُہ اُس پر

ظُلم و سِتم ڈھاتا تھا تاکہ تنگ آ کر وُہ غُلام دِینِ حق سے مُنہ موڑ لے اور حضرتِ محمّد، صَلّیَ اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَ سَلّمؐ، سے اپنا تعلّق توڑ لے، لیکن یہ بات اِس غُلام کے لِیے قابلِ قبُول نہیں تھی۔ اُس کا ایمان تھا کہ دُنیا کی چند روزہ تکلیفیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

مومن غُلام کے ساتھ یہ ظالمانہ سُلوک کوئی ایک دو دِن کی بات نہیں تھی۔ اُس نے جب سے اِسلام قبُول کیا تھا، اُس کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جا رہا تھا۔ کبھی اُسے گلیوں میں گھسیٹا جاتا تھا اور کبھی بُری طرح مارا پیٹا جاتا تھا۔ کبھی تپتی ریت پر تپایا جاتا تھا اور کبھی گرم کوئلوں پر لِٹایا جاتا تھا، لیکن اِن سارے مَظالم کے مُقابلے میں اُس کا ایک ہی جواب تھا: ”اَحَد، اَحَد“۔

یہی مشقِ سِتم جاری تھی کہ حضرتِ محمّد، صَلّیَ اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَ سَلّمؐ، کے ساتھی حضرتِ ابُوبکر صِدّیق، رَضِیَ اللہُ عَنہُ، اِدھر سے گُزرے۔ اُنھوں نے اِس سِتم رسیدہ غُلام کی یہ حالت دیکھی، تو اُن کا دِل بھر آیا۔ اُنھوں نے اِس کافر سردار کو مُنہ مانگی رقم دے کر اُس غلام کو خرید لیا اور اُسے آزاد کر دِیا۔

پہاڑ جیسا حَوصلہ رکھنے والا یہ غُلام کَون تھا؟ بِلال! حضرتِ بِلال، رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنہُ! آپؓ غُلامی سے نجات پاتے ہی حضرتِ محمّد، صَلّیَ اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَ سَلّمؐ، کی خِدمت میں حاضِر ہو گئے اور اپنی باقی زندگی اِسلام کے لِیے وَقف کر دی۔

حضرتِ بِلالؓ حبشی نسل سے تعلّق رکھتے تھے۔ آپؓ مکّے کے قریب رہنے والے ایک قبیلے میں پیدا ہُوئے۔ آپؓ پیدائشی غُلام تھے۔ آپؓ کے آقا کا نام اُمیّہ بِن خَلَف تھا، جو حضرتِ محمّد، صَلّیَ اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَ سَلّمؐ، اور اِسلام کا بدترین دُشمن تھا۔ حضرتِ بِلالؓ اُن لوگوں میں سے ہیں، جِنھوں نے اِسلام کی دَعوت قبُول کرنے میں سبقت کی۔ بالغ مَردوں میں حضرتِ ابُوبکرؓ کے بعد آپؓ ہی ایمان لائے۔ یہ اِسلام کا اِبتدائی دَور تھا۔ مکّے میں مُسلمانوں کی حالت بڑی کمزور تھی۔ کُفّارِ مکّہ اِسلام لانے والوں کو اپنے مَظالم کا نِشانہ بناتے تھے۔ خُود نبیِ اکرمؐ کو جِسمانی اَذیّتیں پہنچانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ اِس دَور

میں اِسلام قبول کرنا مَصائب کو دَعوَت دینے کے مُترادِف تھا۔ خاص طور پر کسی ایسے غلام کے لیے قبولِ اسلام کا اعلان بڑے دِل گردے کا کام تھا، جس کا آقا مُتعصِّب، مُشرِک اور مُسلمانوں کا دُشمن ہو۔ اُس زمانے میں مالِک کو غُلام پر پُورا اختیار حاصِل ہوتا تھا۔ وُہ جیسا چاہتا تھا، ویسا سُلوک غُلام کے ساتھ کر سکتا تھا۔ حضرتِ بلال رضؓ اس انجام سے ناواقف نہ تھے، لیکن اُن کے دِل میں نبیِ کریمؐ کی مَحبّت اور اِسلام کی عظمت کا ایسا نقش بیٹھ چُکا تھا کہ اُنھوں نے اس آزمائش کی ذرّہ برابر پروا نہ کی۔ اُنھوں نے اپنے عقیدے پر قائم رہ کر اِستقامت اور پامردی کی بے نظیر مثال قائم کر دی۔

حضرتِ بلال رضؓ اسلام کے دائرے میں آئے اور حُضورؐ کی خِدمت میں حاضر ہُوے، تو آپؐ نے اُنھیں یہ عزّت بخشی کہ اُنھیں ذاتی خادِم اور مُعاوِن مُقرّر فرمایا۔ حضرتِ بلال رضؓ حُضورؐ کی خدمت اور گھریلو کام کاج کے پُورا کرنے کو عبادت و سعادت سمجھتے تھے۔ اعتماد کا یہ عالَم تھا کہ حضرتِ بلال رضؓ نبیِ اکرمؐ کے خازِن تھے۔ جب تک نبیِ اکرمؐ اس دُنیا میں موجود رہے، حضرتِ بلال رضؓ آپؐ کی خِدمت میں رہے۔ یہ عظیم سعادت ہے، جو قُدرت نے حضرتِ بلال رضؓ حبشی کے لیے وَقف کر رکھّی تھی۔

ہجرت کے پہلے سال نبیِ کریمؐ نے نمازیوں کو جمع کرنے کے لیے اَذان کا طریقہ مُقرّر فرمایا، تو اَذان دینے کی خِدمت حضرتِ بلال رضؓ ہی کے سپُرد فرمائی۔ اسی لیے آپؓ کو "مُؤذِّنِ رسُولؐ" کے لقب سے پُکارا جاتا ہے۔ آپؓ کسی وجہ سے "ش" کی آواز اَدا نہ کر سکتے تھے اور "اَشْهَدُ" کو "اَسْهَدُ" کہتے تھے، لیکن اُن کے اخلاص و محبّت اور دینی فِداکاری کا جذبہ خُدا کے رسُولؐ کو اس قدر پسند تھا کہ اُن کا یہ انداز بھی سب کے لیے قابِل قبول تھا۔

جب تک نبیِ کریمؐ دُنیا میں زِندہ رہے، مدینہ اور گردونواح کی فضاؤں میں بلال رضؓ کی اذانیں گونجتی رہیں۔ صِرف یہی نہیں، جب مکّہ فتح ہُوا، تو حُضورؐ کے حُکم سے حضرتِ بلال رضؓ نے خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر پہلی اَذان دی۔ یہ اَذان اِس اَمر کا اِعلان تھا کہ آج سے اللہ کا یہ گھر صرف خُدائے واحِد کی عبادت کے

لیے مخصوص ہو چکا ہے اور صرف مکّہ ہی نہیں، بلکہ پورے جزیرۂ عرب پر اسلام کا غلبہ ہو چکا ہے۔ اِس عظیم اعلان کا یہ فخر و شرف بلالؓ کے سوا کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔

اسلام نے انسانی مساوات کا جو تصوّر دیا ہے، اُسی کا ایک مظہر حضرتِ بلالؓ کی ذات بھی ہے۔ آپؓ حبشی نسل کے تھے اور پیدائشی غلام۔ اُس دور میں عرب کے سبھی قبائل بالخصوص قریشِ مکّہ میں خاندانی عصبیت اور نسبی تفاخر کا جذبہ حد درجہ موجود تھا۔ غیر عرب قوموں اور غلاموں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا لیکن حضرتِ بلالؓ کو اسلامی برادری میں وہ بلند مقام ملا، جس پر اونچے خاندانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو بھی رشک آتا تھا۔ حضرتِ بلالؓ کو غلام نہیں، بلکہ "سیدنا بلالؓ" کہ کر پکارا جاتا تھا۔ اس لیے کہ اسلام میں عزّت اور بزرگی کا معیار رنگ و نسب یا ملک و وطن نہیں، بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

حضرتِ بلالؓ سفر و حضر میں نبیِ اکرمؐ کے ساتھ رہے۔ تمام غزوات میں بھی حضورؐ کی معیّت کا شرف حاصل کیا۔ جب حضورؐ دنیا سے رحلت فرما گئے، تو آپ پر غم و اندوہ کی شدید کیفیّت طاری ہو گئی۔ آپؓ نے اذان دینی بھی ترک کر دی، کیونکہ حضورؐ کی جدائی کے احساس سے آپؓ کے قلب پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ کچھ مدّت اسی درد و غم کی حالت میں گزارنے کے بعد آپؓ اسلامی فوجوں کے ساتھ ملک شام کی طرف چلے گئے اور جہاد میں حصّہ لینے لگے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد حضرتِ بلالؓ نے صرف دو بار اذان دی۔ ایک موقع وہ تھا جب حضرتِ عمرؓ اپنے زمانۂ خلافت میں بیت المقدس کے سفر پر تشریف لے گئے۔ آپؓ نے حضرتِ بلالؓ سے اذان دینے کی فرمائش کی۔ پہلے حضرتِ بلالؓ نے عذر خواہی کی، لیکن جب اصرار حد سے بڑھ گیا، تو اذان کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

بلالؓ کی صدائے اذان سے فضا گونجنے لگی۔ دل کے جذبات نے اس آواز میں جادو بھر دیا تھا۔ آپؓ کے منہ سے اذان کے کلمات ادا ہوتے جا رہے

تھے اور سُننے والوں کے دِل موم کی طرح پگھلتے جا رہے تھے ۔ سارے لشکر پر رِقّت کا عالَم طاری تھا ۔ جن صحابۂ کرامؓ نے نبی اکرمؐ کی مجلسوں کا نقشہ دیکھ رکھّا تھا، اُن کے دِلوں میں وُہ خُوشگوار یادیں تازہ ہو گئیں ۔ نبیِ اکرمؐ کی جُدائی کا احساس دوبارہ زندہ ہو گیا اور سب کی آنکھوں سے آنسُوؤں کا سَیلاب اُمڈ آیا ۔ حضرتِ عُمرؓ، جو بڑے حَوصلے اور پکّے دِل والے آدمی تھے، وُہ بھی غم کی تاب نہ لا سکے اور بے اِختیار اَشک بار ہو گئے ۔

اِسی طرح ایک بار حضرتِ بلالؓ روضۂ رسُولؐ کی زِیارت کرنے شام سے مدینہ آئے ۔ لوگوں نے اُن سے درخواست کی کہ مسجدِ نبویؐ میں اذان دیں ۔ حضرتِ بلالؓ نے پہلُوتہی کی ، کیونکہ اُنھیں جب بھی نبیِ اکرمؐ کا زمانۂ حیات یاد آتا ، تو اُن کا دِل غم سے بھر جاتا تھا ، لیکن جب حضرتِ حسنؓ اور حضرتِ حسینؓ نے فرمائش کی، تو وُہ نبیؐ کے پیارے نواسوں کی بات ٹال نہ سکے اور اذان کے لیے کھڑے ہو گئے ۔

مسجدِ نبویؐ سے بلالؓ کی صدائے تکبیر بُلند ہُوئی ، تو مدینے کی فضاؤں میں دَرد و اَلَم کی ایک لہر دَوڑ گئی ۔ اِس آواز میں اَیسی کشِش تھی کہ جِس نے سُنا ، بے اِختیار مسجد کی طرف کھِنچا چلا آیا اور مدینے میں ایک بار پھر زمانۂ نبُوّت کا سماں پَیدا ہو گیا ۔

آپؓ کی زِندگی وُہ مُبارک زِندگی ہے، جس کا ایک ایک لمحہ خُدا اور رسُولؐ کی مَحبّت و اِطاعت اور دینِ اسلام کی خِدمت میں صَرف ہُوا ۔ اِسی اِخلاص اور فِداکاری نے انھیں وُہ بُلند مَقام عطا کِیا ، جو دُنیا کے کِسی شہنشاہ کو بھی نصِیب نہیں ہُوا۔

## مَشق

۱ ۔ مُندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ حضرتِ بلالؓ کا آقا اُنھیں کیوں سخت سزا دیتا تھا ؟

ب ۔ آپؓ کو کافر آقا سے کِس نے آزاد کرایا ؟

ج - جب حضرتِ بلالؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپؐ نے اُنھیں کیا کام سونپا؟

د - حضرتِ بلالؓ کو "مؤذِنِ رسولؐ" کا لقب کیوں دیا گیا؟

ہ - حضورؐ کی رِحلت کے بعد حضرتِ بلالؓ نے اذان دینا کیوں بند کر دی؟

و - اسلام نے ہمیں انسانی مساوات کا سبق کس طرح سکھایا ہے؟

ز - جب حضرتِ بلالؓ نے بیتُ المقدِس میں اذان دی، تو سننے والوں کی کیا حالت تھی؟

۲ - مندرجۂ ذیل کے معنی لغات میں سے تلاش کر کے لکھیے :-

تنومند ، استِقلال ، سنگ دِل ، مشرِک ، مشقِ ستم ، مظالم -

۳ - الفاظِ ذیل کے متضاد لکھیے :-

انسان ، آقا ، فتح ، مشرِک ، دشمن ، غلام -

۴ - اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے جو مصیبتیں برداشت کیں ، اُن کا ذکر مضمون کی صورت میں کیجیے -

۵ - اسلامی تاریخ سے کوئی ایسا واقعہ لکھیے، جس سے "مساواتِ انسانی" کا سبق ملتا ہو-

۶ - مندرجۂ ذیل مرکّب الفاظ میں سے سابقے الگ کر کے لکھیے - ہر ایک سابقے سے مزید تین الفاظ بنائیے :-

باہمّت ، ناواقف ، بے نظیر -

۷ - اس سبق میں سابقے والے مرکّبات پر اچھی طرح غور کیجیے اور بتائیے "سابقہ" کسے کہتے ہیں؟

---

# ۷۔ محنت کی عظمت

جاگ اُٹھے ہیں اپنے بازو، جاگے ہاتھ ہمارے
اَب اپنی محنت سے ساتھی! اپنا نگر چمکے گا
روشن ہوں گی ساری گلیاں، اِک اِک گھر چمکے گا
اپنے فن کی قیمت ہو گی، اپنا ہُنر چمکے گا
اپنے عمل سے خُود بدلیں گے، اَب حالات ہمارے
جاگ اُٹھے ہیں اپنے بازو، جاگے ہاتھ ہمارے

محنت کرنے والے بازو، آگ میں پھول کھلائیں
محنت سے سب کنکر پتھر، موتی بنتے جائیں
اس عظمت پر کم ہے ساتھی جتنا بھی اترائیں
صدیوں کی تعمیر کریں گے، اَب حالات ہمارے
جاگ اُٹھے ہیں اپنے بازو، جاگے ہاتھ ہمارے

بن محنت کچھ ہاتھ نہ آئے، ہاتھ آئے ناداری
محنت ایسا جادو، جس سے ریت بنے پھلواری
پربت پربت رنگ جمائے، مہکے کیاری کیاری
سُورج، چاند، ستارے، بادل، سب ہیں ساتھ ہمارے
جاگ اُٹھے ہیں اپنے بازو، جاگے ہاتھ ہمارے

(رضی اختر شوق)

# مشق

۱ ۔ "جاگ اُٹھے ہیں اپنے بازو، جاگے ہاتھ ہمارے" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
۲ ۔ محنت کی برکت پر ایک مضمون لکھیے ۔
۳ ۔ خالی جگہوں کو پُر کیجیے :۔

اَ ۔ اپنے ......... سے خود بدلیں گے اب .......... ہمارے
ب ۔ محنت کرنے والے ........... آگ میں ......... کھلائیں
ج ۔ جاگ اُٹھے ہیں اپنے ........... جاگے ......... ہمارے
د ۔ بن ........... کچھ ہاتھ نہ آئے ........... آئے ناداری
ہ ۔ محنت ایسا جادو، جس سے ریت بنے ...............

۴ ۔ اس نظم کا بنیادی خیال کیا ہے؟
۵ ۔ اس نظم سے فعل مستقبل کی مثالیں چُن کر لکھیے ۔
۶ ۔ اسمِ نکرہ کی ایک قسم "اسمِ ظرف" کہلاتی ہے ۔ یہ اُس اسم کو کہتے ہیں، جو جگہ یا وقت کے معنی دے ۔ جیسے شہر، گاؤں، گھر، صبح، شام، دوپہر وغیرہ ۔ ان میں سے جو اسم جگہ کے معنی دے، اُسے "اسمِ ظرفِ مکان" اور جو وقت کے معنی دے، اُسے "اسمِ ظرفِ زمان" کہتے ہیں ۔

---

# ۸ - حضرتِ عُمر بن عبدُالعزیزؒ

حضرتِ عُمر بن عبدُالعزیزؒ، سُلیمان بن عبدُالملِک کی وفات کے بعد صفر ۹۹ ھ میں خلیفہ بنے۔ آپ مشہور اُموی خلیفہ مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ باپ کا نام عبدُالعزیز تھا۔ آپ کی والِدہ اُمِّ عاصم، حضرتِ عُمرؓ بن خطّاب کی پوتی تھیں، اِس لیے آپ کی رگوں میں فارُوقی خُون بھی شامِل تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت وقت کے مشہور مُحدّث صالح بن کیسان کی زیرِ نگرانی ہُوئی۔ جوان ہوئے، تو عبدُالملِک بن مروان کی بیٹی فاطمہ سے شادی ہُوئی۔ آپ مُختلِف عہدوں پر فائز رہے۔ سُلیمان کے مُشیر اور مدینے کے گورنر بھی رہے، لیکن اُس دور میں بھی اُن کی فِطری سعادت میں کوئی فرق نہ آیا۔ چُنانچہ جب ولید نے اُنھیں مدینے کی گورنری کا عُہدہ پیش کیا، جسے اُنھوں نے اِس عہد کے ساتھ قبول کیا کہ وُہ کبھی عوام پر ظُلم نہ کریں گے اور مدینے پہنچے، تو وہاں کے اکابِر عُلما اور فُقہا کو بُلا کر کہا "مَیں آپ لوگوں کی رائے اور مشوروں کے بغیر کوئی کام انجام نہ دُوں گا۔ جب آپ کِسی کو ظُلم کرتے ہُوئے دیکھیں یا آپ کو کِسی ظُلم یا زیادتی کی خبر مِلے، تو آپ کو خُدا کی قسم، مُجھے ضرُور اس کی اطّلاع دِیجیے۔"

اِن تمام اخلاقی خُوبیوں کے ساتھ بہرحال وُہ حُکمران خاندان کے فرد تھے۔ اُن کی پرورِش ناز و نِعَم میں ہُوئی تھی۔ خُوش پوشی اور نفاست میں اپنی مثال آپ تھے۔ وُہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ خُوش لِباس اور جامہ زیب آدمی مانے جاتے تھے۔ نفاست کا یہ عالَم تھا کہ جو لِباس ایک بار پہن لیتے، اُسے دوبارہ زیبِ تن نہ کرتے، لیکن خلیفہ بنتے ہی اُن کی زندگی یکسر بدل گئی۔ زمانۂ خلافت میں اُن کے پاس ایک ہی جوڑا تھا، اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔

آپ کو خلافت کی ذِمّہ داریوں کا بہُت اِحساس تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد جب گھر تشریف لائے، تو چہرہ پریشان تھا۔ غُلام نے تشویش کی وجہ دریافت

کی، تو فرمایا "اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہو گی کہ مشرق و مغرب میں اُمّتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے، جس کا مجھ پر حق نہ ہو۔ یہ وہ حق ہے کہ بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔" اس ذمّہ داری کا احساس اتنا شدید تھا کہ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا:

"لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت کی ذمّہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے، اس لیے بیعت کا جو طوق تمھاری گردنوں میں ہے، میں اُسے خود اُتارے دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو، اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

یہ تقریر سُن کر لوگوں نے شور بلند کیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ مانا ہے اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔ آپ خُدا کا نام لے کر کام شروع کریں۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے، تو آپ نے اس بارِ عظیم کو قبول کر لیا۔

اُموی دور میں خلافتِ راشدہ کی حقیقی رُوح موجود نہ تھی۔ رعایا کی آزادی ختم ہو گئی تھی۔ جمہور کی آواز دبا دی گئی تھی۔ بیت المال عُمّال کا خزانہ بن گیا تھا۔ حکمران خاندان کے ارکان، اُمرا اور وُزرا کے قبضے میں سینکڑوں جاگیریں تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رض ان سب بُرائیوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ آپ کا مقصد خلافتِ راشدہ کا دوبارہ احیا تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں رعایا کے اس مال اور جائداد کی واپسی کا انتظام کیا، جسے حکمران خاندان کے ارکان اور اُمرا نے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ خود آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جاگیر تھی۔ چنانچہ اپنی اور اپنے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی۔ آپ کی بیوی فاطمہ کو اُن کے والد نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا اور اُس اطاعت شعار بیوی نے وہ قیمتی پتھر بیت المال میں جمع کرا دیا۔

تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے اپنی ذات کے لیے معمولی سا فائدہ اُٹھانا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے، اُس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے۔ اس کے بعد گُل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلا لیتے تھے۔ آپ سے پہلے بیت المال کی آمدنی کا بڑا حصّہ حکمران کے ذاتی آرام و آسائش

اور حکومت کی ظاہری آن بان قائم رکھنے پر صرف ہوتا تھا۔ آپ نے تمام غیر ضروری مصارف بند کر دیے اور بیت المال کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیا۔ ملک میں جتنے نادار اور معذور لوگ تھے، اُن کے نام رجسٹروں میں درج کیے گئے اور اُن کے لیے وظیفے مقرر کر دیے گئے۔ جو قرض دار ناداری اور غربت کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے، اُن کا قرض بیت المال سے ادا کر دیا گیا۔ شیر خوار بچوں کے لیے وظائف مقرر کیے گئے۔ ایک عام لنگر خانہ قائم کیا گیا، جس سے فقرا اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔ اِس کے علاوہ تمام حاجت مندوں میں صدقات تقسیم ہوتے تھے۔

ناجائز آمدنیوں کے سدِ باب اور مصارف کی اِصلاح سے رعایا بہت آسُودہ حال ہو گئی۔ غربت و اِفلاس کا خاتمہ ہو گیا اور حالت یہ ہو گئی کہ ملک میں صدقہ لینے والے نہ ملتے تھے۔

کسی حکمران کے عدل اور ظلم و جور کے جانچنے کا سب سے بڑا پیمانہ ماتحت قوموں اور دیگر مذاہب کے ساتھ اُس کا سُلوک اور طرزِ عمل ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے بھی عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور سراپا عدل تھا۔ آپ نے ذمیوں اور مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت میں کوئی فرق روا نہ رکھا۔ کسی کے مذہب میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کی۔ جزیے کی وصولی میں نرمی اور سہولت پیدا کی۔ اُن کے لیے ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر کر دی۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حیرہ کے حاکم کو لکھا کہ قاتل کو فوراً مقتول کے وُرثا کے حوالے کر دو۔ وہ چاہیں قتل کریں، چاہیں معاف کر دیں۔ چنانچہ اِس حکم کی تعمیل میں حاکمِ حیرہ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا، جنھوں نے اُسے قتل کر دیا۔

آپ نے رفاہِ عامّہ کے بہت سے کام کیے۔ ملک کے تمام شہروں اور راستوں میں سرائیں تعمیر کرائیں۔ گورنروں کو حکم دیا کہ جو مسافر اِدھر سے گزرے، اُس کی ایک دِن کی میزبانی کی جائے۔ بیمار مسافروں کی میزبانی دو دِن تک کی جائے۔ جس

کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو، اُس کا اہتمام کیا جائے۔

حضرتِ عُمر بن عبدُالعزیزؒ خلافت کی ذِمّہ داریوں اور اُمّت کے حُقُوق کے خوف سے لرزہ بر اندام رہتے تھے۔ آپ عشا کی نماز کے بعد تنہائی میں رو رو کر دُعائیں کرتے تھے۔ اِسی حالت میں آنکھ لگ جاتی، تو بیدار ہو کر پھر دُعائیں کرنے لگتے تھے۔ جب لوگ آپ سے اِس کے بارے میں سوال کرتے، تو آپ فرماتے "تم لوگ رونے پر مجھے ملامت نہ کرو، کیونکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچّہ بھی ہلاک ہو جائے، تو اِس کے بدلے میں عُمر پکڑا جائے گا"۔

آپ اِنسانی مُساوات کا عَملی نمُونہ تھے۔ آپ کے ہاں حاکم و محکوم اَور آقا و غُلام کی کوئی تفریق نہ تھی۔ مُلازِمین تک کو تعظیم کے لیے اُٹھنے کی مُمانعت کر دی تھی۔ آپ اُن کے برابر بیٹھتے تھے بلکہ اُن کی خِدمت میں بھی تأمّل نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے خادِمہ کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے پنکھا لیا اَور اُسے جھلنا شُرُوع کر دیا۔ اُس کی آنکھ کُھلی، تو یہ دیکھ کر گھبرائی کہ آقا اُسے پنکھا جھل رہے ہیں۔ آپ نے اُس کی گھبراہٹ دیکھی، تو فرمایا "آخر تُم بھی تو میری طرح اِنسان ہو۔ تُم کو بھی گرمی لگتی ہوگی۔ جس طرح تُم مُجھے پنکھا جھل رہی تھیں، مَیں نے تمھیں جھل دِیا"۔

مَرضُ الموت میں ایک قمیص کے سوا دُوسری قمیص نہ تھی۔ آپ کے برادرِ نسبتی مُسلمہ بِن عبدُالملِک نے اپنی بہن سے کہا کہ قمیص میلی ہو گئی ہے، لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں، قمیص بدلوا دو۔ وہ سُن کر خاموش رہیں۔ مُسلمہ کے دوبارہ کہنے پر بولیں "خُدا کی قسم! اِس کے علاوہ دُوسرا کپڑا نہیں ہے"۔ آپ کے بچّے بھی اِسی تنگ دستی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات کے وقت آپ کی اَولاد کے لیے مَعاش کا کوئی سہارا باقی نہ رہا تھا۔ وفات سے کُچھ پہلے اپنے بچّوں کو بُلا کر فرمایا "میری جان تُم پر قربان، جن کو مَیں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے، لیکن خُدا کا شُکر ہے کہ مَیں نے تُم کو اَچھّی حالت میں چھوڑا ہے، کیونکہ تُم کو کوئی اَیسا عرب اَور کوئی اَیسا ذِمّی نہ مِلے گا، جس کا تُم پر حق ہو۔ بس، خُدا حافظ! اللہ تعالیٰ تُم کو اَپنے حفظ و اَمان میں رکھّے"۔

# مَشق

۱ - اِن سوالوں کے جَواب دِیجیے :-

ا - حضرتِ عُمر بن عَبدُالعزیز رضؓ نے مَدینے کی گورنری قبول کرتے وَقت کیا عہد کیا تھا ؟

ب - آپ نے خِلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کیوں کیا تھا ؟

ج - حضرتِ عُمر بن عَبدُالعزیز رضؓ نے خِلافتِ راشدہ کا دَور واپس لانے کے لیے کیا کوششیں کیں ؟

د - حضرتِ عُمر بن عَبدُالعزیز رضؓ کی سیرت کے نُمایاں پہلو کیا ہیں ؟

۲ - اَلفاظِ ذَیل کو اَپنے جُملوں میں اِستعمال کیجیے :-

وَصیت نامہ - تعلیم و تربیت - اَرکان - اِطاعت شِعار - جان و مال -

۳ - اِن اَلفاظ سے لاحقے الگ کیجیے :-

حق دار - خیر خواہ - اِطاعت شِعار - حاجت مَند -

۴ - "نیک اِنسان"، "نادار لوگ" میں "نیک" اَور "نادار" اِسمِ صِفت ہیں اَور "اِنسان" اَور "لوگ" مَوصُوف - اِن مِثالوں پر غَور کر کے "صِفت" اَور "مَوصُوف" کی تعریف کیجیے -

۵ - صِفت اَور مَوصُوف مِل کر جو مُرکّب بنتا ہے، اُسے "مُرکّب توصیفی" کہتے ہیں - اِس سَبق میں سے اَیسے مُرکّبات تلاش کر کے اَپنی کاپی میں لکھیے -

۶ - اِسمِ نکرہ کی ایک قِسم "اِسمِ آلہ" کہلاتی ہے - یہ وُہ عام اِسم ہوتا ہے، جو کسی اَوزار یا ہتھیار کے معنی دے - مثلاً چاقُو، تلوار، بندُوق، کف گیر وغیرہ -

---

# ۹ - پنجابی ادب

پنجابی ایک قدیم زبان ہے - اِس کا نام اگرچہ صُوبۂ پنجاب کی نسبت سے پنجابی رکھّا گیا ہے، لیکن یہ پاکستان کے وسیع حصّے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اِس علاقے میں صدیوں سے اِس کا چلن ہے - زبانوں کے بعض مُحققین کا خیال ہے کہ ہماری قومی زبان اُردُو کا ماخذ بھی پنجابی زبان ہی ہے - ذرا غور کِیا جائے، تو یہ بات واضح بھی ہو جاتی ہے - پنجابی اور اُردُو کے بے شُمار اَلفاظ آپس میں مُشترک ہیں - مُذکّر و مُؤنّث اور واحد و جمع کے قاعدے بھی عمُومًا مِلتے جُلتے ہیں - اِسی لِیے پنجابی بولنے والوں کو اُردُو سِیکھنے میں کوئی دِقّت نہیں ہوتی - اُردُو اور پنجابی دونوں زبانیں ایک ہی رَسْمُ الخط میں لِکھّی جاتی ہیں۔ جو شخص اُردُو پڑھنا سِیکھ لیتا ہے، وُہ پنجابی بھی آسانی سے پڑھ سکتا ہے -

پاکستان کی دُوسری علاقائی زُبانوں کی طرح پنجابی زُبان بھی اِسلامی تہذیب و تمدّن کی اَمانت دار ہے - قدیم پنجابی اَدیبوں نے اِظہارِ خیال کے لِیے شاعری کو اپنایا، اِس لِیے قدیم پنجابی اَدَب میں نَثر سے زِیادہ نظم مِلتی ہے - بَرّ صَغیر میں مُسلمانوں کی آمد کے ساتھ عُلما و صُوفیاے کِرام بھی اِس سرزمین میں آئے - اِن صُوفیا نے بھی عمُومًا شاعِری کو ذریعۂ اظہار بنایا - اِن کے کلام میں دِین و اَخلاق اور پَند و نصائح کا عُنصُر بہت زِیادہ ہے - پنجابی کے بعض شُعَرا نے قِصّے کہانیاں لِکھّی ہیں - اُن میں دُنیا کی بے ثباتی اور خدمتِ خَلق کی عَظمت جَیسے مَوضُوعات پیش کِیے ہیں -

پنجابی کے مشہُور شُعَرا کی تعداد بہُت زِیادہ ہے - اُن میں سے خواجہ غُلام فریدؒ، سُلطان باہُوؒ، بُلّھے شاہؒ، میاں محمّد بخشؒ، وارِث شاہؒ جیسے چند نام زِیادہ نمایاں ہیں۔ اِن شُعَرا کے کلام میں اَچھّے شِعر اور اعلیٰ اَدَب کی تمام خُوبیاں موجود ہیں اور اِن کا کلام دُنیا کے کِسی بھی اَچھّے شاعِر کے مُقابلے میں پیش کِیا جا سکتا ہے۔

آج ہم آپ کو پنجابی کے چند شاعروں سے متعارف کراتے ہیں ۔ اِن کے کلام کا ترجمہ بھی اُردُو میں پیش کیا گیا ہے تاکہ آپ کو عِلم ہو جائے کہ ہمارے ہاں کے اِن نامور شُعرا نے ہمیں زندگی کے لیے کون سا پیغام دیا ہے ۔

شاہ حُسینؒ مشہُور صُوفی تھے ۔ اُن کا مزار شالامار باغ لاہور کے پاس ہے، جہاں ہر سال مارچ کے آخری ہفتے میں اُن کا عُرس منایا جاتا ہے ۔ اِسے عام طَور پر "چراغاں کا میلہ" کہتے ہیں ۔ شاہ حُسینؒ کا کلام کافیوں کی صُورت میں ہے ۔ وُہ اپنی ایک کافی میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا یُوں بیان کرتے ہیں :

میرے دِل کے حال کا محرم، اَے میرے رَب! تُو
اندر تُو ہے، باہر تُو ہے، دیکھوں جس ڈھب، تُو
تُو ہی تانا، تُو ہی بانا، سب کچھ ہے اَب تُو
شاہ حُسین کہے بے چارہ، مَیں نا ہیں، سب تُو

ایک کافی میں دُنیا کی بے ثباتی کا ذِکر کیا ہے اور ہمیں نصیحت کی ہے کہ ہم اپنی زِندگی میں آنکھیں کھُلی رکھّیں اور اِس عُمر کو غنیمت جانیں :

سُن ری پگلی! موند نہ آنکھیں، سمے گزرتا جائے
یہ دُنیا دو چار دِنوں کی، اَنت کوئی نہ پائے
دَولت، دُنیا، رُوپ، جوانی، ڈھلتے بڑھتے سائے
شاہ حُسین اَب کیوں نہ بچارا، اللہ کے گُن گائے

وارث شاہؒ پنجابی شاعروں میں اِمتیازی حَیثیت رکھتے ہیں ۔ اُنھوں نے ہیر رانجھے کا مشہُور قِصّہ نہایت مُؤثّر انداز میں بیان کیا ہے ۔ اِسی قِصّے میں اُنھوں نے صحیح طریقے سے زندگی گُزارنے کے اُصُولوں کی تبلیغ کی ہے ۔ اُن کے بہُت سے اَشعار زُباں زدِ عام ہیں ۔ مثلاً

سانس وطن ہے، ذات ہے جوگی، سگے پرائے خویش نہیں
ذات وطن کو دیکھنے والا، لوبھی ہے، درویش نہیں

وقت کسی کا ساتھ نہ دے گا، ہاتھ اور جیبیں جھاڑو گے
وارث شاہ! یہ عمر کے مہرے، آخر اک دن ہارو گے

گزرا وقت اور عمر نہ لوٹے، بھاگ نہ پھر پھر آئیں گے
بات اور تیر نہ واپس لوٹیں، روح نہ پھر سے پائیں گے

بازوں ساتھ پھرے جو بلبل، اپنی جان گنوائے گی
اُس ہرنی کی خیر نہیں، جو شیر کی جانب جائے گی

حامد شاہ عباسی قدیم شاعروں میں سے ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک دوہے میں علم کی اہمیت اور ضرورت کو اس طرح بیان کیا ہے :

علم بغیر عبادت کیسی، سوچ سمجھ، نادان!
بے ایمان مرے گا جاہل، خود کو تو پہچان!
سن کی رسّی سانپ بنے نہ، اون اُسے نہ جان!
علم بغیر فقیری حامد! جیسے ہو حیوان!

ہاشم شاہ بھی پنجابی کے مشہور شاعر ہیں۔ اُن کا مزار ضلع سیالکوٹ میں ہے، جہاں جیٹھ کے مہینے میں اُن کا عُرس ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک دوہے میں انسانی زندگی کے انجام کا ذکر کر کے ہمیں کتنا اچھا سبق دیا ہے کہ :

کہاں سکندر، کہاں ہے دارا، جام کہاں ہے جم کا!
جن کی تیغ سے دیو بھی کانپیں، دِل دہلے رُستم کا
اُن کی راکھ ملے نہ ڈھونڈے، دُنیا گھر ہے غم کا
ہاشم! جان غنیمت جانو، نہیں بھروسا دَم کا

وُہ ایک اَور دوہے میں فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنی مختصر سی زندگی پھول بن کر گزارنی چاہیے:

پھول اَور کانٹے دونوں دیکھو، ایک جگہ ہوں پیدا
اِک شب پھول کی عمر یہاں پر، نت کانٹوں کی دُنیا
تھوڑا جینا، لیکن پیارے! کانٹا مت بن جانا
ہاشم! ہنس کے گلے ملو، گو پل بھر کو مُسکانا

قادِر یار ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے "پُورن بھگت" کا قِصّہ نظم میں بیان کیا ہے۔ اِس قِصّے سے اُن کا مقصد پاکیزہ اَخلاق سِکھانا ہے۔ ایک بند میں فرماتے ہیں:

پُورن کہے، یہ جان ہے اُس کی، واپس کوئی نہ آئے گا
ایک ہزار برس بھی جی لے، پھر بھی تُو مر جائے گا
پڑھ کے خط پھر پُورن بولا، ناحق دھرم گنوائے گا
قادِر یار! بدی کرے جو، آخر وُہ پچھتائے گا

پشاوَر کے میاں بردے خان پشتو کے شاعِر تھے، لیکن اُنھوں نے پنجابی میں بھی ایک سی حرفی لکھی ہے۔ اِس سی حرفی کے ایک بند میں اُنھوں نے عمل کی اہمیت پر زور دیتے ہُوئے فرمایا ہے:

آ سہیلی! کام کریں کچھ، ملے گی تب مزدُوری
حُسن بغیر غرُور نہیں، بن دَولت بات نہ پُوری
کھانڈ سے شربت میٹھا ہو اَور گھی بن بنے نہ چُوری
بردا کہے، عبادت کر لے، یہی ہے بات ضرُوری

مولوی عبدُالسّتارؒ کی کِتاب "قِصصُ المُحسِنین" بہت مَشہور ہے، جس میں اُنھوں نے حَضرتِ یُوسُفؑ کا قِصّہ بیان کِیا ہے ۔ اِس کے عِلاوہ بھی اُن کی تصانیف ہیں ۔ ذَیل کے چند اَشعار میں اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اَور قُدرت کی نیرنگیوں کا ذِکر یُوں کِیا ہے :

اِس قُدرت نے خاک پہ دیکھو، کیا کیا رنگ چڑھایا
ہر صُورت کا حُسن نکھارا، جلوہ باہر آیا !

جُدا جُدا ہیں نَقش سبھی کے، جِن بھی اَور بَشر بھی
ہَر ہر پھُول سے خُوشبُو آئے، قُدرت کاری گر کی

مَشرِق مَغرِب، ہر سُو اُس نے، لاکھوں شہر بَسائے
خلقت فانی، بھرا ہے میلا، کوئی حِساب نہ آئے

پَل میں لاکھوں پَیدا کر دے، پَل میں انھیں وُہ مارے
کِسی کا وُہ مُحتاج نہیں ہے، عاجِز ہیں واں سارے

---

# مَشق

۱ ۔ مُندرجۂ ذَیل سَوالوں کے جَواب دِیجیے :۔

ا ۔ اُردُو زبان کے ماخذ کے بارے میں بعض مُحقّقین کی کیا رائے ہے ؟

ب ۔ صُوفیاے کرام نے شاعِری کو ذرِیعۂ اِظہار کیوں بَنایا ؟

ج ۔ اِس سَبَق میں جو اَشعار دِیے گئے ہیں، اُن میں سے آپ کو کَون سے دو شِعر سَب سے زیادہ پَسند آئے اَور کیوں ؟

۲ ۔ وارِث شاہؒ نے اَپنے اَشعار میں زندگی گُزارنے کے جِن اُصُولوں کی تبلیغ کی ہے، اُنھیں اَپنے اَلفاظ میں بیان کیجیے ۔

۳ — پنجابی کے مشہور شاعروں نے اس سبق میں جن اچھی باتوں کا ذکر کیا ہے، اُن کا خلاصہ اپنے لفظوں میں پیش کیجیے۔

۴ — درجِ ذیل مرکّبات کے معنی بتائیے :—

پند و نصائح ۔ تہذیب و تمدّن ۔ حمد و ثنا ۔ بلند و اعلیٰ ۔

۵ — ذیل کے الفاظ جمع ہیں ۔ ان کے واحد لکھیے :—

محقّقین ۔ علما ۔ صوفیا ۔ موضوعات ۔ تصانیف ۔

۶ — سوال نمبر ۴ کے مرکّبات پر غور کیجیے ۔ ہر مرکّب دو لفظوں سے مل کر بنا ہے، جنھیں "واؤ" کے ذریعے یکجا کر دیا گیا ہے ۔ اُردو میں اس "واؤ" کا ترجمہ "اور" ہوگا ۔ "وَ" یا "اور" کو "حرفِ عطف" کہتے ہیں اور ان مرکّبات کو "مرکّبِ عطفی" کہتے ہیں ۔ آپ پانچ ایسے مرکّبات تحریر کیجیے، جن میں "وَ" یا "اور" لگا کر مرکّب بنایا گیا ہو ۔

۷ — اشعارِ ذیل کی نثر بنائیے :—

ا ۔ بازوں ساتھ اُڑے جو بلبل، اپنی جان گنوائے گی
اُس ہرنی کی خیر نہیں، جو شیر کی جانب جائے گی

ب ۔ پھول اور کانٹے دونوں دیکھو، ایک جگہ ہوں پیدا
اِک شب پھول کی عمر یہاں پر، نت کانٹوں کی دُنیا

---

# ۱۰- چاند اَور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے
نظّارے رہے وُہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہَے صُبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مُدام چلنا!
بے تاب ہَے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہَیں جسے سکُوں، نہیں ہے
رہتے ہَیں ستم کشِ سفر سب
تارے، انساں، شجَر، حجَر سب
ہو گا کبھی ختم یہ سفَر کیا؟
منزِل کبھی آئے گی نظَر کیا؟

کہنے لگا چاند، "ہم نشینو!
اے مزرعِ شب کے خوشہ چینو!
جُنبش سے ہَے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہَے یہاں کی
ہَے دوڑتا اشہبِ زمانہ
کھا کھا کے طلَب کا تازیانہ

اِس رَہ میں مَقام بے مَحَل ہے
پوشیدہ قرار میں اَجَل ہے
چلنے والے نِکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کُچل گئے ہیں

(علامہ محمد اقبالؒ)

---

# مَشق

ا — مُندرجۂ ذیل سَوالوں کے جَواب دِیجیے :۔

ﻟ ۔ تاروں نے چاند سے کیا کہا ؟

ب ۔ نظم میں دُنیا کی ہر چیز کی کیا حالت بیان کی گئی ہے ؟

ج ۔ کائنات میں کِس چیز کی کمی ہے ؟

د ۔ وُہ کون سی چیز ہے، جو سَب کو حَرکت پر مجبُور کر رہی ہے ؟

۲ — اس نظم سے کوئی ایسا شعر تلاش کیجیے، جو اِس نظم کے بُنیادی خیال کو پیش کرے۔

۳ — اِس نظم کے دُوسرے حِصّے کی تشریح کریں ۔

۴ — اِس نظم سے جو سَبَق مِلتا ہے، اُسے اپنے لَفظوں میں بیان کیجیے۔

۵ — اِن اَلفاظ کے معنی لِکھیے :۔

خُوشہ چیں ، اَشہبِ زمانہ ، تازیانہ ، بے مَحَل ، اَجَل ۔

۶ — اِسمِ صَوت بھی اِسمِ نکرہ کی ایک قِسم ہے ۔ یہ وُہ اِسم ہے، جو کسی آواز کے معنی دے ۔ خواہ وُہ آواز کِسی جاندار کی ہو یا بے جان کی ۔ جَیسے مِیاؤں مِیاؤں، کائیں کائیں، چُوں چُوں، ٹَن ٹَن وغیرہ ۔

---

# ۱۱ - ریڈار

آواز اور اُس کی بازگشت ہمارے روزمرّہ مُشاہدے کی چیز ہے۔ ہم کسی کنوئیں میں جھانک کر چلّائیں، تو فوراً وُہی آواز ہماری طرف لوٹ آتی ہے اور یُوں معلُوم ہوتا ہے، جیسے کسی نے کنوئیں کے اندر سے ہماری آواز کا جواب دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ وُہ تو ہماری اپنی ہی آواز ہوتی ہے، جو کنوئیں کے اندر سے ٹکرا کر باہر نکل آتی ہے۔ اسی آواز کو "صدائے بازگشت" کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم کسی ایسی عمارت میں زور سے بولیں، جس کی چھت گُنبد والی ہو، تو ہماری آواز کی گُونج بھی اُسی طرح سُنائی دے گی، جیسے کوئی ہمارے پیچھے پیچھے ہماری ہی آواز میں ہمارے الفاظ دُہرا رہا ہو۔ جو لوگ پہاڑوں میں آباد ہیں، اُنھیں صدائے بازگشت کا تجربہ صُبح و شام ہوتا رہتا ہے۔ جب بھی وُہ کسی پہاڑی کے پاس جا کر زور سے پُکارتے ہیں، اُن کی وُہی آواز پہاڑی سے ٹکرا کر اُن کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اس صدائے بازگشت میں اُتنی ہی شدّت ہوتی ہے جتنی کہ پُکارتے وقت اُن کی اپنی آواز میں ہوتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صدائے بازگشت (یا آواز کی گُونج) پیدا کس طرح ہوتی ہے؟ اصل میں جس وقت ہم چلّاتے ہیں یا بُلند آواز سے پُکارتے ہیں، تو ہماری آواز کا زور ہوا کے اُن ذرّوں کو، جو فضا میں موجود رہتے ہیں، پیچھے کی طرف دباتا ہے۔ اس طرح ہماری آواز لہروں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہ لہریں اُس وقت تک سفر کرتی رہتی ہیں، جب تک کہ کوئی رُکاوٹ اُن کے سامنے نہیں آ جاتی۔ یہ رُکاوٹ خواہ گُنبد ہو، کوئی چھت ہو، کنوئیں کی چاردیواری ہو، کوئی بُلند پہاڑی ہو یا کوئی عام عمارت ہو، آواز کی لہریں اُس سے ٹکرا کر بالکل اُسی طرح لوٹتی ہیں، جیسے روشنی کی شُعاعیں آئینے سے ٹکرا کر لوٹ آتی ہیں۔ اگر ہم آواز کے جانے اور لوٹ کر آنے کا وقت نوٹ کر سکیں، تو ہمیں یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ آواز کی رفتار کیا ہے اور ہمارے اور اُس رُکاوٹ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، جس سے ٹکرا کر ہماری آواز لوٹ کر آئی ہے۔

ریڈار میں بھی ٹکرا کر لوٹنے (یعنی بازگشت) کا یہی اُصول کارفرما ہے۔ فرق صرف

یہ ہے کہ بازگشت میں آواز لہروں کی شکل اختیار کرتی ہے اور ریڈار میں بجلی کو لہروں میں تبدیل کرتے ہیں۔ ان لہروں کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ گھرے سے گھرے بادل بھی ان کا راستہ نہیں روک سکتے۔ ان کا راستہ اگر رُکتا ہے، تو کسی ٹھوس چیز سے، مثلاً اگر یہ لہریں کسی پہاڑی سے ٹکرا جائیں، تو فوراً وہاں سے لوٹ آئیں گی۔ ٹکرا کر واپس آنے والی ان لہروں کو ایک خاص آلے کے ذریعے روشنی میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ پھر اس روشنی کا عکس اگر کسی پردے پر ڈالا جائے، تو پتا چل جاتا ہے کہ جس چیز سے ٹکرا کر یہ لہریں واپس آئی ہیں، وہ کتنی بڑی ہے۔ بعض آلات کے ذریعے پیمائش کر کے یہ بھی معلوم کر لیا جاتا ہے کہ وہ چیز ہم سے کتنے فاصلے پر ہے۔ لہروں کی واپسی کی رفتار دیکھ کر یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے ٹکرا کر یہ لہریں واپس آئی ہیں، وہ ہم سے کس سمت میں ہے۔ یہ برقی لہریں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل (دو لاکھ اسّی ہزار کلومیٹر) فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں۔

ریڈار چھوٹے بھی ہوتے ہیں، بڑے بھی، اور بہت بڑے بھی۔ لیکن کام سب ایک ہی اصول کے تحت کام کرتے ہیں۔ ریڈار کو اس کے سائز کے لحاظ سے زمین پر، فوجی گاڑیوں پر، ہوائی جہازوں پر، غرض، کہیں بھی نصب کیا جا سکتا ہے۔ لڑاکا طیاروں پر نصب شدہ ریڈار بڑے کام کی چیز ہے۔ ہوا باز جونہی اپنے طیارے کا ریڈار کھولتا ہے، تو اس میں سے نکلنے والی برقی لہریں زمین کی طرف سفر کرتی ہیں اور زمین سے ٹکرا کر لوٹ آتی ہیں۔ ہوائی جہاز میں اسی طرح کی ایک چھوٹی سکرین لگی رہتی ہے، جیسی کہ ٹیلی ویژن میں ہوتی ہے، جو لہریں زمین سے ٹکرا کر لوٹتی ہیں، ان کے عکس سے سکرین پر ایک دھبّا سا بن جاتا ہے، لیکن اگر نیچے میدان میں کوئی اونچی عمارت یا پہاڑی ہے، تو اس عمارت یا پہاڑی سے ٹکرانے والی لہریں ان لہروں کے مقابلے میں جلدی لوٹ آئیں گی، جو میدان تک گئی ہیں اور ان کے عکس سے جو دھبّا اس سکرین پر پڑے گا، وہ ان لہروں کے دھبّے سے پہلے پڑے گا، جو میدان تک جا کر لوٹتی ہیں۔ اس طرح ہوائی جہاز چلانے والے کو پتا چل جائے گا کہ نیچے میدان میں کوئی عمارت یا اونچی جگہ ہے۔ لہروں کی رفتار سے اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ

عمارت کتنے فاصلے پر ہے اور کتنی اُونچی ہے؟

جس طرح ہوائی جہاز کے رے ڈار سے برقی لہریں زمین کی طرف سفر کرتی ہیں۔ اسی طرح زمین یا کسی پہاڑی پر نصب شدہ رے ڈار کی برقی لہریں اُوپر کی طرف پرواز کرتی ہیں اور جب تک وُہ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا نہیں جاتیں، وُہ نیچے نہیں لوٹتیں۔ اور اگر وُہ لوٹ آئیں، تو یہ اِس بات کی علامت ہوتی ہے کہ فضا میں کوئی ٹھوس چیز یعنی ہوائی جہاز موجود ہے۔ لہروں کے لوٹنے سے سکرین پر دھبا پڑتا ہے، تو اِس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ دھبّا ایک جہاز کا ہے یا زیادہ جہازوں کا۔ لڑائی کے دَوران رے ڈار ہی ایک ایسا آلہ ہے، جو ہمیں دُشمن کے ہوائی جہازوں کی فضا میں پرواز کی خبر دیتا ہے۔ جُونہی رے ڈار کی سکرین پر دھبّے نظر آئے، خطرے کا الارم بجا، طیّارہ شکن توپوں نے نشانے باندھے اور آن کی آن میں ہوا باز اپنے طیّارے کو لے کر دُشمن کے طیّاروں کا مُقابلہ کرنے کے لیے فضا میں جا پُہنچے۔ جب تک رے ڈار کام کرتے ہیں، دُشمن کے طیّاروں کی پرواز کا علم ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر اُن کے ساتھ مُقابلے کی صلاحیت موجود ہو، تو وُہ طیّارے نقصان نہیں پُہنچا سکتے، بلکہ اُلٹا اُن کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فضائی حملوں میں سب سے پہلے زمین پر نصب شدہ رے ڈار ہی کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دُشمن یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ رے ڈار کہاں کہاں نصب ہیں۔ اگر کوئی طاقت اِن رے ڈاروں کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائے، تو پھر فضا میں حکومت اُسی کی ہو جاتی ہے۔ گویا فضائیّہ کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار اُس کے رے ڈار کے نظام پر ہوتا ہے۔ یہ نظام جس قدر مضبُوط اور مُؤثّر ہوگا، فضائیّہ اُسی قدر مضبُوط اور فتح مند ہوگی۔

طیّاروں میں نصب شُدہ رے ڈار کی مدد سے ہوابازوں کو رات کے اندھیرے میں بھی یہ پتا چل جاتا ہے کہ اِس وقت وُہ کس خطّۂ زمین پر سے پرواز کر رہے ہیں، وہاں کوئی آبادی ہے یا نہیں۔ یہ آبادی اگر دُشمن کے علاقے میں ہو، تو ہوا باز وہاں بم گرا سکتے ہیں، لیکن شہری آبادی پر بم گرانا بہت بڑی بداخلاقی اور سنگین جُرم ہے۔ اگر کوئی مُلک اِس قسم کی حرکت کرے، تو ساری دُنیا اُسے بُرا کہتی ہے۔

اِس کے باوُجُود بعض طاقتیں اپنی بَداَخلاقی کا ثبُوت دیتے ہُوے یہ حرکت کرتی رہتی ہیں۔ اَور اِس سے اُن کا مقصد اپنے دُشمن کو خوف زدہ اَور ہراساں کرنا اَور شہری آبادی کو جانی و مالی نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔

رے ڈار ایک مُفید اور اَہم اِیجاد ہَے۔ یہ ایک اَیسا آلہ ہَے کہ جسے اگر صحیح طرح اِستعمال کِیا جائے، تو یہ مُلک کی خِدمت اَور حِفاظت کا ذرِیعہ بن سکتا ہَے، لیکن اگر کوئی ظالِم طاقت اِسے ظُلم کی راہ میں اِستعمال کرے، تو یہ بے قصُور لوگوں کی تباہی کا باعث بھی بن سکتا ہے اَور یہ بات تو صِرف رے ڈار ہی پر مَوقُوف نہیں، سائنس کی بہُت سی ایجادات کی یہی صُورت ہَے اَور خُود ہَوائی جہاز بھی اِس زُمرے میں آتا ہے۔ جب اِن اِیجادات کا اِستعمال صحیح ہو، تو یہ رحمت بن جاتے ہَیں اَور جب اِنھیں غلط طریقے سے کام میں لایا جائے، تو یہی تباہی اَور زحمت کا مُوجب بن جاتے ہیں۔ پس ہونا یہی چاہیے کہ دُنیا کے سب ممالک رے ڈار جیسی مُفید اور حیرت انگیز اِیجاد سے اپنی آزادی کے تحفُّظ کا کام تو ضرُور لیں، مگر اِسے کِسی کی تباہی و بربادی کا ذرِیعہ نہ بنائیں۔

## مشق

ا ۔ اِن سَوالوں کے جَواب دیجیے :۔

ا۔ رے ڈار کِس کام آتا ہَے ؟

ب ۔ جب ہم کِسی گُنبد میں کھڑے ہو کر آواز دیتے ہیں، تو آواز واپس کیوں آجاتی ہے ؟

ج ۔ رے ڈار کہاں کہاں نصب کِیے جاتے ہیں ؟

۲ ۔ "بازگشت" میں "باز" سابقہ ہَے۔ اِس سابقے سے بننے والے کُچھ اَور اَلفاظ تحریر کیجیے۔

۳ ۔ "نصب شُدہ" میں "شُدہ" لاحقہ ہَے۔ اِس طرح کے چار اَور اَلفاظ بنائیے۔

۴ ۔ "فوراً" اَور "معاً" میں تنوین کا اِستعمال ہُوا ہے۔ اَیسے ہی چند اَور اَلفاظ بتائیے۔

۵ ۔ ذَیل کے اَلفاظ کو جُملوں میں اِستعمال کیجیے :۔

مُؤثر ۔ نِظام ۔ فضا ۔ زحمت ۔ رحمت ۔ مُضمر ۔ تحفُّظ ۔

٦ ۔ اِسمِ مُصغّر بھی اِسمِ نکرہ کی ایک قِسم ہَے۔ جِس اِسم کے معنوں میں اس کی اصلی حالت کی نِسبت چھوٹاپن پایا جائے، اُسے اِسمِ مُصغّر کہتے ہیں۔ جیسے پیالہ سے پیالی، پہاڑ سے پہاڑی وغیرہ۔

# ١٢ـ مولانا الطاف حسین حالی

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اس میں محنت زیادہ

یاسر نے رسالے میں جب یہ شعر پڑھا، تو دوڑ کر اپنے ابّا جان کے پاس پہنچا، اور پوچھنے لگا: "ابّو! یہ شعر کس کا ہے"؟ اس کی عادت تھی کہ جب بھی اسے کوئی شعر اچھا لگتا، تو شاعر کا نام ضرور پوچھتا۔

ابّا نے رسالہ ہاتھ میں لے کر شعر پڑھتے ہوئے کہا: "بیٹا! یہ شعر مولانا الطاف حسین حالیؔ کا ہے۔ جانتے ہو، حالیؔ کون تھے"؟

**یاسر**: ابّو! ہمارے ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ حالیؔ ہمارے قومی شاعر تھے۔

ابّا جان یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے یاسر کو شاباش دی۔ اتنے میں یاسر کی بڑی بہن روحی بھی آ گئیں۔ ابّو نے کہا: "آؤ بیٹی! تم بھی یہیں بیٹھ جاؤ۔ آج ہم تم سے حالیؔ کی کچھ باتیں کریں گے۔ کیا تم اُن کا پورا نام جانتی ہو؟"

**روحی**: جی ابّو! حالیؔ کا پورا نام الطاف حسین حالیؔ تھا۔ وہ پانی پت کے رہنے والے تھے۔

**ابّا جان**: بالکل درست! حالیؔ ١٨٣٧ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی تعلیم کی ابتدا قرآنِ پاک سے کی، پھر عربی فارسی پڑھی۔

**یاسر**: کیا وہ انگریزی نہیں جانتے تھے؟

**ابّا جان**: بیٹے! انھوں نے انگریزی کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی، لیکن انھوں نے بے شمار انگریزی کتابوں کے ترجموں کا مطالعہ کیا تھا اور انگریزی کے بہت سے الفاظ سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ اسی لیے اُن کی تحریروں میں بھی انگریزی کے کئی الفاظ نظر آتے ہیں۔

**یاسر**: حالیؔ کے بچپن کے کچھ حالات بتائیے، ابّو جی!

اَبّا جان : اَیّامِ طفولیت ہی سے حالیؔ کو طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا ۔ اسی لیے وُہ دُوسروں کی تکلیف سے فوری اثر قبول کرتے تھے ۔ وُہ دُوسروں کے دُکھ درد سے آشنا تھے ۔

رُوحی : اَبّو! مَیں نے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب مولانا سے ملنے کے لیے آئے ۔ وُہ ٹم ٹم پر سوار تھے اَور زینے کے بالکل قریب ٹم ٹم سے اُترنا چاہتے تھے ، لیکن کوچوان نے گاڑی زینے سے دو چار قدم دُور جا کر کھڑی کی ۔ بس ، اسی پر وُہ صاحب آپے سے باہر ہو گئے اَور اُس غریب کے کئی ہنٹر لگا دیے ۔ مولانا اَندر سے یہ سب کُچھ دیکھ رہے تھے ، تڑپ کر رہ گئے اَور اُس شخص کے جانے کے بعد اُن کی یہ حالت ہو گئی کہ اِدھر اُدھر ٹہلتے جاتے تھے اَور کہتے جاتے تھے: "ظالم ! تُم نے کیا کیا ؟" یہاں تک کہ اُس روز کھانا بھی اَچھی طرح نہ کھا سکے اَور نہ آرام ہی کر پائے ۔

اَبّا جان : ہاں بیٹا ! یہ دُرست ہے ۔ واقعی حالیؔ ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے ۔ اُن کی طبیعت میں مروّت ایسی تھی کہ کسی سے اِنکار کرتے نہ بن پڑتی تھی ۔ جیسے بھی ہوتا، لوگوں کی مَدد ضرُور کرتے ۔ کبھی کسی کا دِل نہ دُکھاتے ۔ وقت بے وقت لوگ چلے آتے ، گھنٹوں بے معنی باتیں کرتے ، مگر مولانا یہ سَب کُچھ صبر سے برداشت کر لیتے ۔

یاسر : اَبّو ! حالیؔ کی خاص عادات کے بارے میں ہمیں کُچھ بتائیں ۔

اَبّا جان : مولانا کی طبیعت میں قناعت اَور انکسار اِس حد تک تھا کہ اِس کی مِثال نہیں مِلتی ۔ آمدنی بہُت تھوڑی تھی ، لیکن اپنے پرائے سے سلُوک کرنے سے کبھی دریغ نہ کرتے ۔ دُنیاوی مال و دولت کی کبھی ہوس نہ کی ۔ جب وُہ عربک کالج میں تھے ، تو اُنھیں ساٹھ رُوپے مُشاہرہ مِلتا تھا ۔ اِس کے بعد جب حیدر آباد دکن میں اُن کے وظیفے کا بندوبست ہُوا ، تو مولانا نے ساٹھ رُوپے ہی طلب کیے اَور زیادہ کا لالچ نہ کیا ، حالانکہ جس قدر چاہتے، وظیفہ مُقرر کرا سکتے تھے ۔

اِنکسار کا یہ عالَم تھا کہ اپنی کتابوں کے سِلسلے میں بھی اپنے لیے "مُصنّف" کا لفظ اِستعمال نہ کیا۔ ایک آدھ کِتاب کے سوا کبھی کسی کتاب کی رجسٹری نہ کرائی۔ اِسی لیے اُن کی کتابیں، جس کا جی چاہتا، چھاپ لیتا تھا۔ مولانا کی طرف سے کوئی پابندی نہ تھی۔ "مُسدّس" تو اتنا چھپا کہ شاید ہی کوئی کتاب اتنی چھپی ہو۔ کیا تم "مُسدّس" کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟

رُوحی : بس اِتنا کہ حالیؒ کی یہ مشہور نعت اُن کی اسی کتاب "مُسدّس" ہی میں ہے ؎

وہ نبیوں میں "رحمت" لقب پانے والا
مُرادیں غریبوں کی بَر لانے والا

ابّا جان : خُوب یاد رکھا۔ حالیؔ کی یہ طوِیل نظم مُسدّس کی صُورت میں ہے، اِس لیے اِسے "مُسدّسِ حالیؔ" کہتے ہیں ورنہ اِس کِتاب کا اَصْل نام "مدّ و جزرِ اسلام" ہے۔ کیا "مدّ و جزر" کے مَعنی تمھیں معلوم ہیں؟

رُوحی : جی ہاں! "مدّ و جزر" سمندر کے اُتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔

ابّا جان : اِس نظم کا نام بھی اِسی نِسبت سے "مدّ و جزر" رکھّا گیا ہے، کیونکہ اِس میں اُنھوں نے مُسلمانوں کے عُروج و زَوال کی داستان بیان کی ہے اور اِس کو اُنھوں نے اِسلام کا مدّ و جزر کہا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حالیؒ کا مُسدّس مُسلمان قَوم کا مَرثیہ ہے، لیکن یہ بات دُرُست نہیں، کیونکہ حالیؒ اپنی قوم سے مایُوس نہیں ہیں، بلکہ نوجوانوں سے مُخاطب ہو کر کہتے ہیں ؎

تُمھی اپنی مُشکل کو آساں کرو گے
تُمھی درد کا اپنے درماں کرو گے

مولانا نے یہ نظم سَر سیّد احمد خان کے کہنے پر لکھی۔ سَر سیّد اِس کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ قیامت کے دِن جب خُدا مجھ سے پُوچھے گا کہ دُنیا سے ہمارے لیے کیا لائے ہو؟ تو کہ دُوں گا

حالیؒ سے مُسدّس لکھوا لایا ہُوں۔

رُوحی: ابُّو! حالیؒ کا کوئی ایسا شعر لکھوا دیجیے، جس میں اُنھوں نے عام لوگوں کے بھلے کی کوئی بات کہی ہو۔

ابّا جان: بہت خُوب! بیٹی! اُن کے کلام میں بے شُمار اَشعار ایسے ہیں، جن میں نصیحت کی باتیں کہی گئی ہیں۔ اِس وَقت تُم اُن کا یہ مشہور شِعر لکھ لو ؎

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سِوا بھروسا نہ کیجیے گا
یہ راز ہے اپنی زندگی کا، بس اِس کا چرچا نہ کیجیے گا

وَیسے بیٹی رُوحی! کیا تُمھیں خُود بھی حالیؒ کے کُچھ شِعر یاد ہیں؟

رُوحی: ہاں ابُّو! اُن کے چند اَشعار مُجھے یاد ہیں۔ یہ مِصرع بھی تو اُنھی کی ایک نظم کا ہے نا؟ ؏

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو! دُنیا کی عِزّت تُم سے ہے!

ابّا جان: ہاں بیٹی! اُنھوں نے عورتوں کے مُتعلّق بھی نظمیں لِکھیں۔ "چُپ کی داد" اور "مُناجاتِ بیوہ" اِسی طرح کی نظمیں ہیں، جن میں اُنھوں نے عورتوں کی زندگی کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اِن نظموں میں بڑی سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ اُنھوں نے عام بول چال کی زُبان میں پُراثر باتیں کہی ہیں۔ مثلاً ؎

آنی جانی چیز ہیں خُوشیاں
چلتی پھرتی چھاؤں ہیں ارماں

رُوحی: یہ نظمیں تو میں ضرُور پڑھوں گی اور ہاں ابّا جان! حالیؒ لاہور بھی تو آئے تھے؟

ابّا جان: ہاں، بیٹی! وُہ مُلازمت کے سِلسلے میں لاہور آئے تھے۔ اُس زمانے میں مولانا مُحمّد حُسین آزادؔ نے یہاں ایک نئی طرز کا مُشاعرہ شرُوع کیا تھا، جس میں "طرحِ مِصرع" پر غزل لِکھنے کے بجائے کسی مَوضُوع پر نظم لِکھنے کی دعوت دی جاتی۔ نیچرل یعنی فِطری شاعری

کی ابتدا اُردُو شاعری میں باقاعدہ طور پر یہیں سے ہُوئی ۔ حالیؔ بھی اِس مُشاعرے میں حصّہ لیتے رہے ۔ آپ کی "برکھارُت"، "حُبِّ وطن" اور "نشاطِ اُمّید" جیسی مشہور نظمیں اِسی دَور کی یادگار ہیں ۔ پھر جب حالیؔ دوبارہ دہلی چلے گئے، تو اُن کی مُلاقات سَر سیّد احمد خان سے ہُوئی اور وُہ سیّد صاحب کے ساتھ قوم کو جگانے اور اُسے آگے بڑھانے کی کوشش میں لگ گئے اور یہ کوشش آخر دم تک جاری رہی ۔

**یاسِر :** حالیؔ کا نوجوانوں کے مُتعلق کیا رَوِیّہ تھا ؟

**ابّا جان :** ہاں بیٹا! وُہ جب کِسی قابِل نوجوان کو دیکھتے، تو بہت خُوش ہوتے اور اُس کی ہِمّت بندھاتے ۔ اپنی نظم "راہِ ترقّی" میں کہتے ہیں ؎

نہال اِس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وُہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

جب کِسی نوجوان کی اچھّی تحریر نظر آتی، تو دِل کھول کر داد دیتے ۔ وُہ جانتے تھے کہ داد دینے سے کام کرنے والے کا دِل کِس قدر بڑھ جاتا ہے ۔

**یاسِر :** ابّو! حالیؔ نے صِرف نظمیں ہی لکھی ہیں یا نثر میں بھی کُچھ لکھا ہے؟

**ابّا جان :** بہت کُچھ ۔ اور نظم کی طرح اُنھوں نے نثر میں بھی بہت سیدھی سادی زُبان اِستعمال کی ہے ۔ ایسی ہلکی پھُلکی اور سادہ زُبان، جو علمی مَضامِین کے لِیے بہت مَوزُوں ہے ۔ حالیؔ کی نثر کو اپنا کر ہم اِصلاحِ مُعاشرہ کے لِیے بہت کُچھ کر سکتے ہیں ۔

**رُوحی :** حالیؔ نے بعض مشہور ہستیوں کے حالاتِ زندگی بھی لِکھے ہیں نا ؟

**ابّا جان :** مولانا نے نثر میں شیخ سعدیؒ، مِرزا غالبؔ اور سَر سیّد احمد خان کے حالاتِ زندگی لِکھے ہیں ۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے اپنے دِیوان کا دِیباچہ لِکھا ہے، جو اِس قدر مشہور ہُوا کہ بعد میں علٰحدہ کِتاب کی صُورت میں بار بار چھپا اور "مُقدّمۂ شعر و شاعری" نام پایا ۔ اِس

میں شعر و شاعری کے پرکھنے کے اصول بتائے گئے ہیں ۔ یہ حالیؔ کا بہت بڑا کام تھا ۔ انھوں نے مضامین بھی لکھے اور خطوط بھی ۔ اب یہ کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں ۔ اُن کے خطوط میں بھی نجی باتیں کم اور قوم کا ذکر زیادہ ہے ۔

روحی : کیا حالیؔ کو حکومت کی طرف سے کوئی انعام بھی ملا تھا ؟

ابا جان : انعام کا جو تصوّر تمھارے ذہن میں ہے ، ویسا انعام تو نہیں ، لیکن حکومت نے اُن کی قدر کی اور اُن کے علمی کارناموں سے متأثر ہو کر انھیں ''شمس العلما'' کا خطاب دیا ۔

یاسر : اِس کے کیا معنی ہیں ابّو ؟

ابا جان : اس کے معنی ہیں ''علما کا آفتاب'' —— یعنی ایسا عالم ، جو اپنے علم کے نور سے دنیائے علم کو منوّر کر دے ۔ وہ اِس خطاب کے واقعی مستحق تھے ۔

روحی : ابا جان ! مولانا حالیؔ کی کوئی اور صفت بیان کیجیے ۔

ابا جان : مولانا اپنے ہمعصروں کی ہمیشہ تعریف کرتے اور کبھی کسی کی ذات کے خلاف کچھ نہ کہتے ۔ حالانکہ اُن کے بعض ہمعصروں نے اُن کے کلام اور اُن کی تحریروں پر سخت نکتہ چینی کی ۔ بعض لوگوں نے ''مسدسِ حالیؔ'' کے جواب میں مسدس لکھ کر اُن کے مرتبے کو گھٹانے کی کوشش بھی کی ، لیکن مولانا نے کبھی بُرا نہ مانا اور اِن باتوں کو صبر و تحمّل سے برداشت کیا ۔ اُن کی قابلیت اور شرافت کا صلہ اللہ نے انھیں یہ دیا کہ اُن کا نام اور کلام اب تک زندہ ہے اور اُن کے خلاف لکھنے والوں کو آج کوئی جانتا بھی نہیں ۔ ''مسدسِ حالیؔ'' کی حیثیت آج بھی وہی ہے ، لیکن جوابی مسدس گمنامی کی موت مر چکے ہیں ۔

مولانا بڑے رکھ رکھاؤ کے قائل تھے ۔ کوئی کیسی ہی بدسلوکی کرتا ، اُن کے رویّے میں کبھی فرق نہ آتا ۔ وہ سچائی اور خلوص کے

پیکر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نظم ہو یا نثر، اُن کی زبان محبت اور خلوص کی مظہر ہے۔ سچائی اور نیکی کی ترجمان ہے۔ اُن کی تحریر ہمیں جینا سکھاتی ہے۔
چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

سُنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

---

# مشق

۱۔ ان سوالوں کے جواب دیجیے :۔
ا۔ حالیؔ نے انگریزی زبان سے کس طرح واقفیت حاصل کی ؟
ب۔ "مدّ و جزرِ اسلام" کے بارے میں آپ نے اس سبق میں کیا پڑھا ہے ؟
ج۔ حالیؔ نے جن مشہور شخصیتوں کی زندگی کے حالات لکھے ہیں، اُن کے نام بتائیے۔
د۔ حالیؔ کی چند مشہور نظموں کے نام بتائیے۔
ہ۔ "شمس العلما" کا کیا مطلب ہے ؟
و۔ قومی شاعر کسے کہتے ہیں ؟
ز۔ طرحِ مصرع سے کیا مراد ہے ؟
۲۔ اس سبق میں حالیؔ کی جن خوبیوں کا ذکر آیا ہے، انھیں اختصار کے ساتھ بیان کیجیے۔
۳۔ مندرجۂ ذیل کے معنی لکھیے :۔
رام ہونا ۔ ایامِ طفولیت ۔ رکھ رکھاؤ ۔ مظہر ۔ ترجمان ۔
۴۔ حالیؔ کے کوئی سے پانچ شعر اپنی کاپی میں لکھیے، جو اس سبق میں نہ آئے ہوں۔
۵۔ لفظِ "دینی" پر غور کیجیے ۔ یہ "دین" سے بنا ہے ۔ اس کے معنی ہیں "دین سے

تَعَلُّق رَکھنے والا"۔ گویا یہ صِفَت ہے، جو کِسی اِسْم کے ساتھ نِسْبَت یا تَعَلُّق کے ذریعے سے بنی ہے۔ اَیسی صِفَت کو "صِفَتِ نِسْبَتی" کہتے ہیں۔ عام طَور پر صِفَتِ نِسبتی بنانے کے لیے اَصْل لَفْظ کے بعد میں یاے مَعرُوف (ی) کا اِضافہ کرتے ہیں۔ مثلاً پاکستانی۔ آسمانی۔ لاہوری وغیرہ۔ آپ ایسے پانچ اَلفاظ تلاش کیجیے۔

٦۔ جس طرح "اِسْمِ مُصَغَّر" میں کِسی اِسْم کی اصلی حالت کی چھوٹائی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اِسی طرح اگر اصلی حالت کی نِسبت بڑائی کے معنی پائے جائیں، تو اَیسے اِسْم کو "اِسْمِ مُکبّر" کہتے ہیں۔ مثلاً بات سے بتنگڑ۔ گھڑی سے گھڑ۔ راہ سے شاہراہ۔ سوار سے شہسوار وغیرہ۔

---

# ۱۳۔ مُقدّس اَمانت

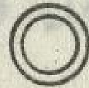
سختیاں جھیل کر جان پر کھیل کر، دین و دُنیا کی دولت ملی ہے ہمیں

ہم ہیں اَسلاف کی عظمتوں کے امیں، اِک مقدس امانت ملی ہے ہمیں

سربُلندی کی نعمت ملی ہے ہمیں، یعنی اپنی حکومت ملی ہے ہمیں

مُلک و مِلّت کے ہم سب وفادار ہیں

جس کی باباے مِلّتؒ نے رکھّی بنا ہم اُسی قصرِ مِلّت کے معمار ہیں



اے شہیدوں کی رُوحو! دُعا دو ہمیں، اور تُم کو خراجِ وَفا دیں گے ہم

خطّۂ پاک کی آبرُو کے لیے، آخری قطرۂ خُوں، بہا دیں گے ہم

اِس مُقدّس اَمانت کا کوئی نہیں ہم سے بہتر امیں، یہ دِکھا دیں گے ہم

ہمتیں ہیں جواں، عزم بیدار ہیں

جس کی باباے مِلّتؒ نے رکھّی بنا ہم اُسی قصرِ مِلّت کے معمار ہیں

(مجید لاہوری)

# مشق

۱ ۔ "بابائے ملت" سے کون مراد ہیں ؟
۲ ۔ "اسلاف کی عظمت" کا مطلب بتائیے ۔
۳ ۔ "مقدس امانت" کی تشریح کیجیے ۔
۴ ۔ "خراجِ وفا" کا کیا مفہوم ہے ؟
۵ ۔ اس نظم کا بنیادی خیال کیا ہے ؟
۶ ۔ اس نظم کو زبانی یاد کیجیے اور مل کر گائیے ۔
۷ ۔ اسمِ نکرہ کی ایک قسم کا نام اسمِ جمع ہے ۔ یہ وہ اسم ہیں ، جو بظاہر واحد نظر آتے ہیں ، لیکن اصل میں جمع کے معنی دیتے ہیں ۔ مثلاً مجلس ، ہجوم ، جلسہ ، جماعت ، فوج ، قافلہ ، کارواں وغیرہ ۔

# ۱۴- قراردادِ مقاصد

کسی مُلک کے نصبُ العین کی مُکمّل وضاحت کے لیے دستُور مُرتّب کیا جاتا ہے، جو اُس مُلک کے تمام قوانین کی بُنیاد قرار پاتا ہے۔ "اسلامی جمہوریۂ پاکستان" کے دستور کا ابتدائیہ ایک قرارداد پر مُشتمل ہے، جسے پاکستان کی پہلی دستُور ساز اسمبلی نے ۱۹۴۹ء میں منظُور کیا تھا۔ اسے "قراردادِ مقاصد" کہتے ہیں۔ اُس وقت تک پاکستان کا دستُور مُرتّب نہیں ہُوا تھا۔ اس قرارداد میں اُن تمام اُصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن پر نظریۂ پاکستان کی بُنیاد رکھّی گئی تھی۔ اس قرارداد کی چند اہم باتیں درجِ ذیل ہیں :-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ

(اللہ کے نام سے، جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

"اس کائنات کا حقیقی حاکم صِرف اللہ تعالیٰ ہے اور اُس نے پاکستان کے باشندوں کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو جو اختیارات دیے ہیں، وُہ ایک مُقدّس امانت ہیں، جنھیں اُن کی مُقرّرہ حُدُود کے اندر استعمال کیا جاتا ہے"۔

"آزاد و خودِ مُختار مملکتِ پاکستان کے دستُور میں اسلام کے اُصُولوں کے مُطابق جمہُوریّت، آزادی، مُساوات، رواداری اور مُعاشرتی انصاف کا پُورا پُورا خیال رکھا جائے گا۔ اور مُسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وُہ اپنی زندگیوں کو قرآن و سُنّت کی روشنی میں، اسلامی تقاضوں کے مُطابق ڈھال سکیں"۔

"دستوُر میں اس امر کی اجازت دی جائے گی کہ اقلیّتیں اپنے مذاہب کی تعلیمات پر عمل کر سکیں اور اپنی روایات اور رسم و رواج کو ترقّی

دے سکیں"۔

یہ قرارداد اُس وقت کے وزیرِاعظم، شہیدِ ملت، لیاقت علی خان نے دستوریہ کے اجلاس میں پیش کی تھی اور اِس موقع پر اپنی تقریر میں اِس قرارداد کے اہم نِکات کی نہایت عُمدہ وضاحت فرمائی تھی۔ آپ کی یہ تقریر بھی خاص اہمیت کی حامِل ہے اور پاکستان کے نصبُ العین کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"میں سمجھتا ہُوں کہ حُصُولِ آزادی کے بعد آج کا دِن اِس مُلک کی زندگی میں حد درجہ اہمیّت کا حامِل ہے، کیونکہ اَب ہمیں اپنے بُلند نصبُ العین کے مُطابق اِس مُلک کو ڈھالنے کا موقع مِل گیا ہے۔ پاکستان اِس لیے بنایا گیا تھا کہ برِّصغیر کے مُسلمان اپنی زندگیوں کو اِسلامی تعلیمات کے مُطابق ڈھالنے کے خواہش مند تھے اور دُنیا کو عملی طور پر بتانا چاہتے تھے کہ آج نسلِ انسانی کو صِرف خُدا ترسی ہی مصائب سے بچا سکتی ہے۔ خُدا ترسی سے مُراد یہ ہے کہ تمام انسانی قوّتوں کو ان اَخلاقی معیاروں کے مُطابق اِستعمال کیا جائے، جو عظیم پیغمبروں نے ہم تک پہنچائے ہیں۔ ہم پاکستانی مُسلمان ہونے کی حیثیت سے یقین رکھتے ہیں کہ ہم اپنے ایمان اور عقیدے پر ثابت قدم رہ کر ہی عالمی بہبود میں مُناسب حِصّہ لے سکتے ہیں، کیونکہ اِقتدار ایک مُقدّس اَمانت ہے جو ہمیں انسانیّت کی خدمت کے لیے خُدا کی طرف سے عطا ہُوا ہے"۔

"جب ہم اِسلامی تصوّر کے مُطابق "جمہُوریّت" کا لفظ اِستعمال کرتے ہیں، تو یہ ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہوتا ہے۔ اِس کا تعلّق ہمارے نظامِ حکومت سے بھی ہے اور معاشرتی زندگی سے بھی۔ اِسلام کا ایک بہت بڑا اِحسان یہ بھی ہے کہ اُس نے تمام انسانوں کو حقیقی مُساوات کا نظریہ دِیا ہے۔ اِسلام نسل، رنگ یا پیدائش کی بُنیاد پر کِسی برتری یا فوقیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ رواداری کے اُصول میں بھی مُسلمان عظیم روایات کے حامِل ہیں۔ کِسی بھی نظامِ حکومت کے تحت اَقلیتوں کو وہ آزادی

حاصل نہیں رہی، جو اُنھیں مُسلمان ممالک میں مُیسّر رہی ہے۔ اِسلامی مُعاشرے میں کوئی اَقلیّت ماتحتی یا مجبُوری کی زِندگی نہیں گزارتی بلکہ اُس کا پُورا اِحترام کِیا جاتا ہے اور اُسے اپنے نظریات اور روایات کی نشو و نُما کے مواقع مُہیّا کِیے جاتے ہیں۔ اِسلامی مُعاشَرے میں مُعاشَرتی اِنصاف نہ بطورِ خیرات ہے اور نہ اِس کے حُصُول میں اِمتیازات کو کوئی دَخل ہے۔ اِسلامی مُعاشَرتی اِنصاف کی بُنیاد اِن قوانین پر ہے، جو ہر اِنسان کو اَیسی زِندگی کی ضمانت بھی دیتے ہیں، جو مکمّل طَور پر آزاد ہے اور اِحتیاج سے خالی ہے۔"

"قرارداد میں یہ کہا گیا ہے کہ 'مُسلمانوں کو قرآن و سُنّت کی رَوشنی میں اِسلامی تعلیمات کے مُطابِق زِندگی گزارنے کے قابِل بنایا جائے گا۔' حضرتِ قائدِ اعظمؒ اور دُوسرے رہنماؤں نے ہمیشہ اِس بات کا اِعلان کِیا کہ پاکستان کے لِیے مُسلمانوں کا مُطالبہ اس حقیقت پر مَبنی ہے کہ مُسلمانوں کا اپنا ایک ضابطۂ اَخلاق اور طَریقِ زندگی ہے۔ اِسلام مُعاشَرتی طرزِ عَمل کے لِیے واضح ہدایات مُرتّب کرتا ہے اور رُوزمرّہ زِندگی میں پیش آنے والے مسائل کے مُتعلّق مُعاشَرے کی رہنمائی کرتا ہے۔"

"مُسلمانوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ وُہ ایک ایسا نظامِ حُکُومت قائم کریں، جِس سے عَملی طَور پر دُنیا کو دِکھایا جا سکے کہ اِسلام دُنیا میں محض ایک ترقّی پَسند قُوّت ہی نہیں، بلکہ وُہ اُن بہت سے اَمراض کا عِلاج بھی ہے، جِن میں حیاتِ اِنسانی مُبتلا ہو چُکی ہے۔"

"ہمارا پُختہ اِیمان ہے کہ اِس قرارداد کے اُصُولوں کے مُطابِق جو دستُور مُرتّب ہوگا، اُس کی مَدد سے ہم پاکستان کو ترقّی کی شاہراہ پر گامزن کر سکیں گے۔ وُہ دِن زِیادہ دُور نہیں، جب پاکستان ایک اَیسی مُملکت بن جائے گا جِس پر اُس کے تمام باشندے بِلا لحاظِ مذہب و مِلّت فخر کر سکیں گے۔ ہمارے عوام میں بے حد صلاحیتیں ہیں اور اُنھوں نے بے مِثال قُربانیوں اور اِحساسِ نظم و ضبط کی بدولت دُنیا بھر سے خراجِ تحسین حاصِل کِیا ہے۔ یہ قَوم اِنسانیت کی بہبود و ترقّی میں مُثبت کِردار ادا کرنے کے لِیے مُقدّر

ہو چکی ہے ۔ یہ لازم ہے کہ اس کے جذبۂ ایثار کو زندہ رکھا جائے اور وہ اپنے مقدّس نصب العین پر پختگی سے قائم رہے ۔ اس قوم کی تاریخ عظیم روایات سے پُر ہے ۔ ماضی میں بھی اس نے زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی سے حصّہ لیا ہے ۔ اس قوم کی شاعری اور فنِ تعمیر نے سب سے دادِ وصول کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب یہ قوم پہلے سے بھی زیادہ ترقّی کرے گی "۔

"ایسے مواقع ہر روز نہیں ملتے ۔ جب مصائب کے روندے ہوئے لوگوں کو عظیم مستقبل کا خیر مقدم کرنے کا حوصلہ عطا ہوتا ہے ۔ روشنی کی یہی وہ ہلکی سی کرن ہے ، جو روزِ روشن کی آب و تاب کی خبر دیتی ہے اور آج اس قرارداد کی شکل میں ہم اُس روشنی کو "خوش آمدید" کہتے ہیں"۔

---

# مشق

۱ ۔ ان سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ پاکستان کس مقصد کے لیے بنایا گیا تھا ؟

ب ۔ "دستور" سے کیا مراد ہے ؟

ج ۔ پاکستان کے دستور کے ابتدائیے میں کون سی خاص باتیں ہیں ؟

۲ ۔ "قراردادِ مقاصد" کا خلاصہ اپنے لفظوں میں بیان کیجیے ۔

۳ ۔ ان الفاظ کے معنی بتائیے :۔

نصب العین ۔ ابتدائیہ ۔ وساطت ۔ نکات ۔ بہبود ۔ حاوی ۔ فوقیت ۔ ضابطۂ اخلاق ۔ طرزِ عمل ۔ معاشرتی صلاحیتیں ۔ خراجِ تحسین ۔ جذبۂ ایثار ۔

۴ ۔ درجِ ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے :۔

اقتدار ۔ مصائب ۔ ضمانت ۔ رواداری ۔ نصب العین ۔

۵۔ اِن اَلفاظ کا مفہوم پُوری طرح واضح کریں :۔
جمہوریّت ۔ مُعاشرتی اِنصاف ۔ رواداری ۔ اَقلیت ۔

۶ ۔ اِن اَلفاظ کے واحد لکھیے :۔
قَوانین ۔ حُدُود ۔ اَقلیتیں ۔ مَذاہب ۔

۷ ۔ مُندرجۂ ذیل میں سے مُذکّر و مؤنّث الگ الگ لکھیں :۔
نصبُ العَین ۔ جُمہُوریّت ۔ بہبُود ۔ اَمانت ۔ رَواداری ۔ روایات ۔ فرض
اِحترام ۔ نشو و نما ۔ عَمَل ۔

۸ ۔ "حامد کی کتاب"، "خالد کا گھر"، "اَشرف کا باغ"۔ اِن مثالوں پر غور کریں، تو حامد، کتاب، خالد، گھر، باغ وغیرہ سب اِسم ہیں، لیکن اِن کا ایک دُوسرے سے تعلّق قائم کرنے کے لیے "کا" اور "کی" وغیرہ اِستعمال کیا گیا ہے ۔ جیسے کتاب کا تعلّق حامد سے ۔ قواعِد میں ایسے مُرکّبات کو "مُرکّبِ اِضافی" کہتے ہیں ۔ جو حُرُوف مثلاً کا، کے، کی باہمی تعلّق کے اِظہار کے لیے اِستعمال ہوتے ہیں، اُنھیں "حُرُوفِ اِضافت" کہا جاتا ہے ۔ فارسی میں اِن حُرُوف کی جگہ علامتِ اِضافت یعنی "زیر" اِستعمال ہوتی ہے ۔ مثلاً "کتابِ حامد" کا مطلب بھی حامد کی کتاب ہی ہے ۔ اُردُو میں بھی ایسے مُرکّب مُستَعمِل ہیں ۔ مثلاً محفلِ موسیقی، اندازِ تحریر وغیرہ ۔

# ۱۵۔ سرسیّد کے عادات و خصائل

سرسیّد احمد خان کا شمار ہمارے عظیم رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ اُنھوں نے ایک ایسے دَور میں جنم لیا، جب مُسلمانوں کا آفتابِ اقبال غُروب ہو چُکا تھا اَور عنانِ حُکومت مُسلمانوں کے ہاتھ سے چِھن کر انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ مُسلمانوں پر مایُوسی کے بادَل چھائے ہُوئے تھے۔ انگریز مُسلمانوں سے حد دَرجہ بدگُمان ہو چُکے تھے اَور ہِندُو اُن کی نظرِ اِلتفات کا مرکز بنے ہُوئے تھے۔ تعلیمی اِعتبار سے بھی مُسلمان بے حد پسماندہ تھے۔

سیّد صاحب نے یہ جان لیا تھا کہ مُسلمانوں کی پستی کی بڑی وَجہ اُن کی جدید عُلوم سے دُوری ہے۔ چُنانچہ اُنھوں نے ایک ایسی مُلک گیر عِلمی تحریک چلائی، جس سے برِّصغیر کے مُسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں بڑی مَدد مِلی۔ مُسلم یُونیورسٹی، علی گڑھ، کا قیام اِسی تحریک کا مظہر تھا۔

آپ کو قُدرت نے دِلِ دردآشنا اَور نگاہِ بینا عطا کی تھی۔ اُن کی بصیرت کا اِس سے بڑا ثبُوت اَور کیا ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے قیامِ پاکستان سے قریبًا ایک سَو سال پہلے یہ بھانپ لیا تھا کہ ہِندُوؤں اَور مُسلمانوں کا بطورِ ایک قوم کے ساتھ ساتھ چلنا اَور آپس میں مِل جُل کر رہنا مُحال ہے۔ سیّد صاحب نے بنارس کے انگریز کمشنر سے گُفتگُو کرتے ہُوئے ایک مرتبہ فرمایا تھا:-

"اب مُجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں کسی کام میں دِل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے۔ آگے آگے اِس سے زیادہ مُخالفت اَور عناد اِن لوگوں کے سبب، جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں، بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا، وہ دیکھے گا۔"

سرسیّد مرحُوم ہماری قوم کے عظیم مُحسن اَور مُربّی تھے، اَور زندہ قومیں کبھی اپنے مُحسنوں کو بُھلایا نہیں کرتیں، بلکہ اُن کی زندگیوں سے سبق سیکھتی اَور یہ

معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ اُن کے رہنماؤں کے اخلاق، عادات و اطوار اور طرزِ زندگی میں کون سی ایسی خوبیاں تھیں، جن کے سبب وہ اس قدر عظیم انسان بنے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے جو سرسید کے دوست اور مدّاح تھے، اسی نصبُ العین کو سامنے رکھتے ہوئے سیّد صاحب کے حالاتِ زندگی اور سیرت پر ایک جامع کتاب "حیاتِ جاوید" کے نام سے لکھی، جس میں سیّد صاحب کی شخصیت پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اُن کے عادات و خصائل پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سے بعض خوبیوں کا ذکر مولانا حالیؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے:-

## راشت بازی

اوّلاً راشت بازی اور وہ تمام اوصاف، جو ایک راشتباز آدمی میں ہونے ضروری ہیں، جیسے صدق، مودّت، حمیّت، دلیری اور آزادی وغیرہ، اس شخص کی خصوصیات میں سے تھے۔ اُس نے محض اپنی راشتبازی کی بدولت ایک عالم کو اپنا مخالف بنایا، مگر جس بات کو سچ جانا اس کے کہنے میں کبھی تامّل نہیں کیا۔ جس بات پر دل سے یقین کر لیا، اُسی کے موافق کہا اور ویسا ہی کیا۔ جس بات میں ملک یا قوم کی بھلائی سمجھی، اُس کے کہنے اور کرنے میں کسی کی مخالفت کی کچھ پروا نہیں کی۔

سرسیّد نے اگر سچ پوچھیے، تو اپنی آزادانہ تحریروں سے اُردو لٹریچر میں سچائی اور آزادی کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے لوگوں کو مجبور کیا کہ سچ بات کے کہنے میں کسی کی طعن و ملامت سے نہ ڈریں۔ انھوں نے "تہذیبُ الاخلاق" میں مضمون لکھنے کی یہ شرط قرار دی کہ جو لوگ ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلنا اور اپنا نام پبلک میں ظاہر کرنا نہیں چاہتے، اُن کا کوئی مضمون اس میں درج نہ ہوگا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ لوگوں کی جھجک نکلنی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ ہر شخص اپنے نام سے کھُلّم کھُلّا اپنے خیالات ظاہر کرنے لگا۔

## محبّت و صداقت

دُوسرے۔ محبّت و اُلفت کا مادّہ اُن میں معمُولی آدمیوں سے بہُت زیادہ تھا اور اسی لیے اُن کے تمام تعلُّقات میں محبّت کا ظہُور بدرجۂ غایت پایا جاتا ہے۔ سرسیّد کو ہمیشہ اپنے کُنبے کے ساتھ حد سے زیادہ لگاؤ رہا ہے۔ بھائی کی مَوت کا صدمہ اُن کو بیس برس نہیں بھُولا۔ بھائی کے مرنے کے بعد اُنھوں نے صغیر سِن بھتیجے کو اس طرح پرورش کیا، جیسے مائیں اپنے بچّوں کی پرورش کرتی ہیں۔

جب سیّد صاحب کی بی بی کا انتقال ہُوا، اُس وقت ان کی عُمر کُچھ اُوپر چالیس برس کی تھی اور تین صغیر سِن بچّے، جن کی پرورش اور رکھ رکھاؤ اکیلے باپ سے ہونا سخت دُشوار تھا، موجود تھے۔ ہر چند دوستوں نے سمجھایا کہ دُوسری شادی کر لو تاکہ اپنی زندگی بھی آسائش سے گُزرے اور بچّوں کی پرورش میں بھی آسانی ہو، مگر محبّت اور وفاداری نے ہرگز اس کی اجازت نہ دی۔

اپنی والدہ کے ساتھ جیسی اُن کو دِل بستگی تھی، ایسی بہُت کم سُنی گئی ہے اور جیسی کہ وہ جوانی میں ماں کی اطاعت کرتے تھے اور اُن کے غُصّے اور خفگی کو برداشت کرتے تھے، اس طرح بچّے بھی اپنے ماں باپ کا کہنا نہیں مانتے۔

## دوستوں کے ساتھ برتاؤ

جو برتاؤ اُن کا اپنے دوستوں کے ساتھ تھا، وہ اس زمانے کے دوستوں سے بالکل نرالا تھا۔ ان کو شاید کبھی ایسی خوُشی ہوتی ہو، جیسی اُنھیں اپنے مخلص دوستوں سے مِل کر ہوتی تھی۔ وہ فی الواقع دوستوں کو زندگی کا ایک عُنصُر سمجھتے تھے۔ وہ اپنا دُشمن تو شاید ہی کسی کو سمجھتے ہوں، مگر جن کو وہ اپنا دوست جانتے تھے، وہ بھی تعداد میں کُچھ کم نہ تھے۔ سیّد کا گھر اُن کا ہوٹل یا سرائے تھا اور اُن کا دِل سیّد کی مُٹھی میں تھا۔ وہ جب اور جس قدر چاہتے، اُن کے نام، بغیر پُوچھے، چندہ لکھ دیتے تھے۔

## فراخ حوصلگی

سیرچشمی اور فراخ حوصلگی بھی اُن کے خاص اوصاف میں سے تھی۔ انھوں نے اپنی کمائی سے نہ کبھی مال جمع کرنے کا ارادہ کیا اور نہ اولاد کے لیے کوئی جایداد خریدی، بلکہ جو کچھ کمایا، اُس کو یا تو اپنی ضروری آسائش اور سچّی عزّت اور نیک نامی کے ذرائع میں صرف کیا یا کُنبے کی خبرگیری، مستحقوں کی امداد، اولاد کی تعلیم، مُلک اور قوم کی بھلائی اور مذہب کی حمایت میں اُٹھایا۔ وہ اپنے کھانے پینے کے اخراجات میں تنگی کر سکتے تھے اور کرتے تھے، مگر اپنے شوق کے کاموں میں انھوں نے کبھی مضائقہ نہیں کیا۔ جس کتاب کی اُن کو تلاش ہوئی وہ اگر بیس گُنا قیمت پر بھی ملی، تو اُس کو لیے بغیر نہیں چھوڑا۔ ساری عُمر تصنیف و تالیف میں گزری، مگر کبھی حق تصنیف سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اُن کی کتابیں اور مضامین، جس کا جی چاہتا تھا، چھاپ لیتا تھا۔ انھوں نے کبھی کسی سے تعرّض نہیں کیا۔

## مہمان داری

دوستوں اور مہمانوں سے اُن کا دسترخوان بہت کم خالی ہوتا تھا۔ جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا، وہ کھانا کھاتے وقت بشّاش نہیں معلوم ہوتے تھے اور جس دن زیادہ مہمان ہوتے، اُس دن اُن کے گھر گویا عید ہوتی۔ رات کے کھانے پر اُن کے ہاں اکثر پُرلُطف صحبت ہوتی تھی۔ مذہبی، علمی، تاریخی اور سوشل ہر قسم کے مسائل پر گفتگو ہوتی تھی، اور اس کے ساتھ ہنسی اور چُہل کی باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔

## مُطالعہ

مُطالعے کی عادت ابتدا سے اُن کی رفیق رہی۔ جس زمانے میں وہ فتحپور سیکری میں منصف تھے، اُس وقت مولانا نورُالحسن مرحوم، آگرہ میں منصف

تھے۔ سرسیّد کی اُن سے نہایت گہری دوستی تھی۔ مطالعے کے وقت کتاب کے مُشکل مقامات جو سمجھ میں نہ آتے تھے۔ اُن کے سمجھنے کے لیے ہر اتوار کو وُہ گھوڑے پر سوار ہو کر فتحپور سے آگرہ میں مولانا کے پاس آتے تھے۔ کئی برس تک بلا ناغہ اُن کا یہی دستور رہا۔

## محنت و جفاکشی

محنت و جفاکشی کی قابلیّت بھی سیّد کے خاص اوصاف میں سے تھی۔ اُن کی غیر معمولی ذہانت بھی اُن کے دائمی غور و فکر اور دماغی محنت کا نتیجہ تھی، کیونکہ بچپن میں، جیسا کہ خود سرسیّد کے بیان سے معلوم ہوا ہے، وُہ باعتبارِ ذہانت و جودت اپنے ہم چشموں میں کچھ امتیاز نہ رکھتے تھے، مگر چونکہ اُنھوں نے اپنے تمام قوای سے، جو خُدا تعالیٰ نے اُن کے نفس میں ودیعت کیے تھے، پُورا پُورا کام لیا تھا، اس لیے اُن کے ذہن اور حافظہ اور عقل سب کو جلا ہو گئی تھی۔

سرسیّد کے تمام قوائے عقلیّہ کی جلا کرنے والی اور اُن کو ترقّی کے اعلیٰ درجے پر پہنچانے والی اُن کی دائمی محنت یا اُن کا مستقل غور و فکر اور استقلال تھا۔ وُہ ہمیشہ صُبح کے تقریباً چار بجے سے شام کے آٹھ بجے تک برابر جاگتے اور مختلف کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ دوپہر کو سخت بیماری کے سوا کبھی پلنگ پر جا کر نہ لیٹتے تھے۔ اگر کبھی رات کو نیند نہ آتی اور دن کو نیند کا غلبہ زیادہ ہو جاتا، تو بھی وُہ اپنی نشست گاہ سے نہیں اُٹھتے تھے۔ جو ایسا ہی نیند کا خُمار ہُوا، تو وہیں کُرسی یا تکیے کے سہارے ذرا کمر سیدھی کر لیتے تھے۔ اگر اس میں کبھی آنکھ لگ گئی، تو ذرا سی آہٹ سے فوراً کھُل جاتی اور وُہ پھر اپنے کام میں لگ جاتے تھے۔

---

# مشق

۱۔ مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا۔ جب سرسیّد نے جنم لیا، تو اُس وقت برِصغیر کن حالات سے دوچار تھا؟

ب۔ سرسیّد کے خیال میں مسلمانوں کی پستی کی سب سے بڑی وجہ کیا تھی ؟

ج۔ سیّد صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد کیا تھا ؟

د۔ حالیؔ نے سیّد صاحب پر جو کتاب لکھی، اُس کا نام بتائیے۔

۲۔ سرسیّد کی سیرت کے جن پہلوؤں کا ذکر اس سبق میں آیا ہے، اُنھیں اختصار سے لکھیے۔ مثلاً راستبازی، مہمان داری وغیرہ۔

۳۔ مندرجۂ ذیل کے معنی بتائیے :۔

آفتابِ اقبال ۔ عنانِ حکومت ۔ نظرِ التفات ۔ خوابِ غفلت ۔

۴۔ "ملک گیر"۔ "ہمہ گیر" میں "گیر" لاحقہ ہے۔ اس لاحقے سے دو لفظ اور بنائیے۔

۵۔ سرسیّد کی جس پیشگوئی کا ذکر اس سبق میں آیا ہے، وہ کہاں تک صحیح ثابت ہوئی ؟

۶۔ کوئی ایسا واقعہ بیان کریں، جس سے سرسیّد کی عادتِ مطالعہ پر روشنی پڑتی ہو۔

۷۔ اس سبق میں سے مرکّبِ توصیفی اور مرکّبِ عطفی کی پانچ پانچ مثالیں تلاش کیجیے۔

۸۔ مندرجۂ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے :۔

غروب ۔ زوال ۔ جدید ۔ ترقّی ۔ آسان ۔ آزادی ۔

۹۔ "اسمِ جنس" کی پانچ مثالیں اپنی کاپی میں لکھیے۔

---

# ۱۶ - شرافتِ حقیقی

مَیں پُوچھتا نہیں ہرگز تمھارا نام ہَے کیا
نہ یہ کہ نام بُزُرگوں کا اَور مقام ہَے کیا
نہ خانوادے سے مطلَب، نہ خانماں سے غرض
یہاں تو نام سے کُچھ ہَے، نہ ہَے نشاں سے غرض

تمھارے کام گر اَچھّے، تو نام اَچھّے ہَیں
گھرانے اَچھّے، گھر اَچھّے، تمام اَچھّے ہَیں

جہاں کی دَولت و حشمت کا، یاں خیال نہیں
اَمیر ہو کہ فقیر، اس سے کُچھ سوال نہیں
کوئی اگر ہَے تونگر، تو اَپنے گھر بَیٹھے
بُزُرگ، صاحبِ زَر ہَے، تو لے کے زَر بَیٹھے

یہاں تو مایۂ ہمّت میں جو زیادہ ہَے
بُزُرگ اَمیر ہَیں اَور خُود اَمیر زادہ ہَے

مَیں پُوچھتا نہیں، تاجر کہاں سے ہَے آیا
گُماشتہ ہَے کہ رکھتا ہَے گھر کا سرمایہ
مَیں چاہتا نہیں، اَرزاں یہ شَے دِلا دو مُجھے
خُدا کے واسطے، اِتنا کوئی بَتا دو مُجھے

مَتاعِ حُسنِ دِیانت دُکاں میں ہَے کہ نہیں
وَفا کی جنس بھی اس کارواں میں ہَے کہ نہیں

مُجھے غرض نہیں، کالج میں تم پڑھے کہ نہیں
جماعتوں کے مدارج پہ، تم چڑھے کہ نہیں
کتابیں پڑھ کے جو کیں حفظ برزبان تو کیا
اور ان میں پاس ہُوئے دے کے امتحان تو کیا
تمھارے خُلق پہ بھی کچھ اثر ہُوا کہ نہیں
زُباں سے کہنے کی دل تک گئی صدا کہ نہیں
جو کچھ کہ مُنہ سے کہو، اُس کا لو اثر دل میں
کہ ہے کتابوں میں جو کچھ، کرے وُہ گھر دل میں
زُبان و دل ہیں بہم جب کہ ایک ہو جاتے
تو آدمی بھی ہیں بالطبع نیک ہو جاتے
وگرنہ پڑھنے کو سب خاص و عام پڑھتے ہیں
ہزاروں طوطے ہیں، کلمہ کلام پڑھتے ہیں

(محمد حسین آزاد)

---

## مشق

ا ـ ان سوالوں کے جواب دیجیے :ـ

ا ـ شرافتِ حقیقی سے شاعر کی کیا مُراد ہے ؟

ب ـ انسان کا نام کن چیزوں سے بُلند ہوتا ہے ؟

ج ـ زُبان و دل کس طرح ایک ہوتے ہیں ؟

۲ ـ اس نظم کے مرکزی خیال کو ایک پیرے میں بیان کیجیے ـ

۳ ـ خانوادے ـ خانماں ـ صاحبِ زر ـ مایۂ ہمت اور خُلق کے معنی لکھیے ـ

۴ ـ "تمام" اور "نام" ہم قافیہ الفاظ ہیں ـ آپ "عام" "تاج" ، "اثر" کے ہم قافیہ تین تین الفاظ لکھیے ـ

# ۱۷۔ کلیم اور ظاہردار بیگ

کلیم دہلی کے ایک رئیس نصوح کا بیٹا تھا۔ گھر کے لاڈ پیار اور بُرے دوستوں کی صحبت نے اُس کی عادتیں بگاڑ دی تھیں۔ اُسے شعر و شاعری کا شوق تھا اور کھیل تماشوں کی لگن! چونکہ گھر میں مال و دولت کی کمی نہ تھی، اِس لیے بہت سے خودغرض اُس کے دوست بن گئے تھے۔ اِن دوستوں کی بے جا خوشامد اور اُن کے مُنہ سے اپنی تعریف سُن سُن کر کلیم میں خودپسندی اور خودستائی کے عیوب راسخ ہو چکے تھے۔

نصوح چاہتا تھا کہ وُہ اپنی اولاد کی تربیت دینی احکام کے مطابق کرے، لیکن کلیم اپنی عادتیں چھوڑنے پر تیار نہ تھا، اسی لیے وُہ باپ کے پاس جانے سے بھی کتراتا تھا۔ ایک دِن نصوح نے کلیم کو اپنے پاس بُلا بھیجا، لیکن کلیم نے حُکم کی کوئی پروا نہ کی۔ جب ماں نے زیادہ اِصرار کیا، تو وُہ سب سے آنکھ بچا، بے پُوچھے، بے کہے گھر سے نِکل کھڑا ہُوا اور سیدھا اپنے ایک دوست مرزا ظاہردار بیگ کے گھر کو ہو لیا۔

مرزا ظاہردار بیگ ایک غریب آدمی تھا، لیکن اپنے آپ کو ایک امیر شخص (جمعدار صاحب) کا وارث بتاتا تھا اور ہر وقت امیرزادوں کی طرح عُمدہ لباس پہنے بنا ٹھنا رہتا تھا۔ کلیم کے ساتھ اُس کی گہری دوستی تھی۔ اُس نے کلیم کو بتا رکھا تھا کہ وُہ بہت امیر ہے اور اُس کے بہت سے مکانات اور دیوانخانے وغیرہ ہیں۔ کلیم گھر سے نِکلا، تو سیدھا مرزا کے ہاں پہنچا۔ اُس کے بعد جو کُچھ ہُوا، وُہ اِس کہانی کے مُصنّف مولوی نذیر احمد کی زُبانی سُنیے:-

”ہرچند ابھی کُچھ ایسی بہت رات نہیں گئی تھی، مگر مرزا جیسے نکمّے، بے فکرے کبھی کے لمبی تان کے سو چکے تھے۔ کلیم نے دروازے پر دستک دی، تو جواب ندارد۔ بار بار کے پُکارنے اور کُنڈی کھڑکھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ

لیے ہُوے اَندر سے نِکلیں ۔ اُن میں سے ایک نے پُوچھا —— "کون صاحب ہیں اَور اِتنی رات گئے کیا کام ہے"؟

کلِیم : جاؤ، مرزا کو بھیج دو ۔

لَونڈی : کَون مرزا ؟

کلِیم : مرزا ظاہر دار بیگ ، جن کا مکان ہَے ۔

لَونڈی : یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہَے ۔

اِتنا کہ کر قریب تھا کہ لَونڈی پھر کواڑ بند کر لے کہ کلِیم نے کہا "کیوں جی ! کیا یہ جمعدار صاحِب کی مَحل سَرا نہیں ہَے"؟

لَونڈی : ہَے کیوں نہیں ؟

کلِیم : پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے ۔ ظاہر دار بیگ جمعدار صاحِب کے وارِث اَور جانشِیں نہیں ہیں ؟

لَونڈی : جمعدار کے وارِثوں کو خُدا سلامت رکھے، مرزا ظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کَون ہوتا ہے ؟

دُوسری لَونڈی : اری کم بخت ! یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پُوچھتے ہوں، وُہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بتایا کرتا ہَے ۔ (کلِیم سے مخاطب ہو کر) کیوں جی ! وُہی ظاہر دار بیگ ، جن کی رنگت زَرد زَرد ہَے ۔ آنکھیں کرنجی ، چھوٹا قد ، دُبلا ڈیل ، اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں ؟

کلِیم : ہاں ، وُہی ظاہر دار بیگ ۔

لَونڈی : تو میاں ! اِس مَکان کے پچھواڑے اُپلوں کے ٹال کے برابر ایک چھوٹا سا کچّا مَکان ہَے ۔ وُہ اُس میں رہتے ہیں ۔

کلِیم نے وہاں جا کر آواز دی ، تو کُچھ دیر بعد مرزا صاحِب ننگ دھڑنگ، جانگیا پہنے ہُوے باہر تشریف لائے اَور کلِیم کو دیکھ کر شرمائے اَور بولے کہ "آہا! آپ ہیں ! مَیں سمجھا، کوئی اَور صاحب ہیں ۔ بندے کو کپڑا پہن کر سونے کی عادت نہیں ۔ ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہمرکاب چلُوں"۔

کلیم : چلیے گا کہاں ؟ مَیں تو آپ کے پاس آیا تھا۔
مِرزا : پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو، تو مَیں اَندر پردہ کرا دُوں!
کلیم : مَیں آج شب کو آپ ہی کے ہاں رہنے کی نیّت سے آیا ہُوں۔
مِرزا : بِسْمِ اللہ! تو چلیے، اِسی مَسْجد میں تشریف رکھیے۔ بڑی فضا کی جگہ ہے۔ مَیں ابھی آیا۔

کلیم نے جو مَسْجد میں آ کر دیکھا، تو معلوم ہُوا کہ نہایت پُرانی، چھوٹی سی مَسْجد ہے۔ وُہ بھی مَسْجدِ ضرار[1] کی طرح ویران، وحشت ناک، نہ کوئی حافظ نہ مُلّا اور نہ طالبِ علم نہ مُسافر۔ ہزارہا چمگادڑیں اُس میں رہتی ہیں کہ اُن کی تسبیحِ بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ فرش پر اِس قدر بیٹ پڑی ہے کہ بجائے خُود کھڑنجے کا فرش بن گیا ہے۔ مِرزا کے اِنتظار میں کلیم کو چار و ناچار اِسی مَسْجد میں بَیٹھنا پڑا۔ مِرزا آئے بھی، تو اِتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایُوس ہو چُکا تھا۔ قبل اِس کے کہ کلیم شکایت کرے، مِرزا صاحِب فرمانے لگے کہ "بندے کے گھر میں کئی دِن سے طبیعت عَلیل ہے اور اِختِلاجِ قَلْب کا روگ ہے۔ اَب جو مَیں آپ کے پاس سے گیا، تو اُن کو غشی میں پایا۔ اِس وَجہ سے دیر ہُوئی۔ پہلے تو یہ فرمائیے کہ اِس وقت بَندہ نوازی فرمانے کی وجہ کیا ہے؟" کلیم نے تمام ماجرا کہ سُنایا۔

مِرزا : پھر اَب کیا اِرادہ ہے؟
کلیم : سِوائے اِس کے کہ اَب گھر لَوٹ کر جانے کا اِرادہ تو نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو۔
مِرزا : خَیر، نیّتِ شب حرام، صُبح تو ہو، آپ بے تکلّف اِستراحت فرمائیے۔ مَیں جا کر بچھونا وَغیرہ بھیجے دیتا ہُوں اور مُجھ کو مرِیضہ کی تیمار داری کے لیے اِجازت دِیجیے۔

---

[1] ایک مَسْجد کا نام، جو مَدِینے میں مُنافِقوں نے بَنوائی تھی اور جو وہاں بَیٹھ کر آنحضرت، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔

کلیم : یہ کیا ماجرا ہے ؟ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے ہاں دوہری محلسرائیں، متعدّد دیوان خانے، کئی پائیں باغ ہیں ۔ حوض اور حمّام اور کٹڑے اور گنج اور دُکانیں اور سرائیں ہیں ۔ میں تو جانتا ہوں کہ عمارت قسم کی کوئی چیز ایسی نہ ہوگی، جس کو تم نے اپنی مِلک نہ بتایا ہو، یا یہ حال ہے کہ ایک مُتنفّس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو کوئی جگہ مُیسّر نہیں ۔ جو جو حالات تم اپنی زبان سے بیان کرتے تھے، اُن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکے پر تم قابض ہو، لیکن میں اس جاہ و حشمت کا ایک شمّہ بھی نہیں دیکھتا ۔

مرزا : اتنی مُدّت مجھ سے آپ کی صُحبت رہی، مگر افسوس کہ آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا ۔ یہ اختلافِ حالت، جو آپ دیکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کو جمعدار صاحب 'مرحوم و مغفور' نے مُتبنّیٰ کیا تھا اور اپنا جانشین بنا کر مرے تھے ۔ شہر کے کُل رُؤسا اس سے واقف اور آگاہ ہیں ۔ اُن کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں کیں ۔ بندے کو آپ جانتے ہیں کہ بکھیڑے سے کوسوں دُور بھاگتا ہے ۔ صُحبتِ نامُلائم دیکھ کر کنارہ کش ہو گیا، لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ، بند وبست کا حوصلہ نہیں ۔ اُسی روز سے اندر باہر واویلا مچی ہوئی ہے اور اس بات کے مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منا لے جائیں ۔

کلیم : لیکن آپ نے اس کا تذکرہ کبھی نہیں کیا !

مرزا : اگر میں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا، تو استقلالِ مزاج سے بے بہرہ ٹھہرتا ۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہے ۔ اجازت دیجیے کہ میں جا کر بچھونا بھجوا دُوں اور مریضہ کی تیمارداری کروں ۔

کلیم : خیر! مقامِ مجبوری ہے، لیکن پہلے ایک چراغ تو بھیج دیجیے ۔ تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبراتی ہے ۔

مرزا: چراغ کیا، میں نے لیمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن گرمی کے دن ہیں۔ پروانے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان ہو جائیے گا اور اس مکان میں ابابیلوں کی کثرت ہے، روشنی دیکھ کر آپ پر گرنے شروع ہوں گے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کر دیں گے۔ تھوڑی دیر صبر کیجیے کہ ماہتاب نکلا آتا ہے۔

کلیم جب گھر سے نکلا، تو کھانا تیار تھا، لیکن وہ اس قدر طیش میں تھا کہ اس نے کھانے کی مطلق پروا نہ کی اور بے کھائے نکل کھڑا ہوا۔ مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں گے، تو کہ دوں گا۔ مرزا کو ہرچند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور چاہیے تھا، کیونکہ اوّل تو کچھ ایسی رات نہیں گئی تھی، دوسرے یہ کہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہے۔ تیسرے دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی، لیکن مرزا قصدًا اس بات سے متعرض نہ ہوا اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے اس کی انتڑیوں نے قُل ھُوَاللہ پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ مرزا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا، اور عنقریب تمام شب کے واسطے رخصت ہوا چاہتا ہے، تو بے چارے نے بے غیرت بن کر خود کہا کہ ——— "سنو یار! میں نے کھانا بھی نہیں کھایا"۔

مرزا: سچ کہو ——— نہیں ——— جھوٹ بہکاتے ہو۔

کلیم: تمھارے سر کی قسم! میں بھوکا ہوں۔

مرزا: تو مردِ خدا، آتے ہی کیوں نہیں کہا؟ اب اتنی رات گئے کیا ہو سکتا ہے؟ دکانیں سب بند ہو گئیں اور جو دو ایک کھلی بھی ہیں، تو باسی چیزیں رہ گئی ہوں گی، جن کے کھانے سے فاقہ بہتر ہے۔ گھر میں آج آگ تک نہیں جلی، مگر ظاہرًا تم سے بھوک کی سہار مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیوِ اشتہا کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے کہ جاؤں، چھدامی بھر بھونجے کے یہاں سے گرم گرم، خستہ چنے کی دال بنوا لاؤں۔ بس، ایک

دھیلے کی، مجھ کو تم کو، دونوں کو کافی ہوگی"۔

ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ مرزا اٹھ کر باہر چلے گئے اور چشم زدن میں چنے بھنوا لائے۔ مگر دھیلے کے کہ گئے تھے، یا تو کم لائے یا راہ میں دو چار پھنکے لگا آئے۔ اس واسطے کہ کلیم کے روبرو دو تین مٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔

مرزا: یار! ہو تم بڑے خوش قسمت کہ اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا واللہ ہاتھ تو لگاؤ۔ دیکھو، کیسے بھلس رہے ہیں! اور سوندھی سوندھی خوشبو بھی عجب ہی دلفریب ہے کہ بس، بیان نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر نکالا، مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو، کمال بھی کیا چیز ہے۔ دیکھیے، اتنی تو رات گئی ہے، مگر چھدامی کی دکان پر بھیڑ لگی ہے۔ بندے نے بہ تحقیق سنا ہے کہ حضورِ والا کے خاصے میں چھدامی کا چنا بلا ناغہ لگ کر جاتا ہے اور واقع میں آپ ذرا غور سے دیکھیے، کہ کیا کمال کرتا ہے کہ بھوننے میں چنوں کو سڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی، تمھیں میرے سر کی قسم! سچ کہنا، ایسے خوبصورت خوش قطع، سڈول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ دال بنانے میں اس کو کمال حاصل ہے کہ کسی دانے پر خراش تک نہیں، ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور۔ اور دانوں کی رنگت دیکھیے، کوئی بسنتی ہے، کوئی پستئی۔ غرض، دونوں رنگ خوشنما۔ یوں تو صدہا قسم کے غلّے اور پھل زمین سے اگتے ہیں، لیکن چنے کی لذت کو کوئی نہیں پہنچتا۔ وہ ایک ظریف کی حکایت سنی ہے؟

کلیم: فرمائیے!

مرزا: چنا ایک مرتبہ حضرتِ میکائیلؑ کی خدمت میں فریاد لے کر گیا کہ یا حضرت! میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جہاں میں نے سر زمین سے نکالا، تیرِ ستم چلنے لگا۔ ماکولات اور بھی ہیں، مگر جیسے ظلم مجھ

پر ہوتے ہیں، کسی اَور پر نہیں ہوتے۔ نَشو و نُما کے ساتھ تو میری قطع و بُرید ہونے لگتی ہے۔ میری کونپلوں کو توڑ کر آدمی ساگ بناتے ہیں اَور مجھے کچّا کھا جاتے ہیں۔ جب ذرا بارآور ہُوا، تو خُدا جھُوٹ نہ بُلوائے، آدمی بکری بَن کر لاکھوں من بونٹ چَر جاتے ہیں۔ اِس سے نجات مِلی، تو ہولے شُروع کیے۔ پکا، تو شاخ و برگ بھُس بَن کر بیلوں اَور بھینسوں کے دوزخِ شکم کا ایندھن ہو رہا۔ دانہ اِس کا دلیں، گھوڑوں کو کھلائیں، کھولتے پانی میں اُبالیں، گھُنگھنیاں بنائیں، بھاڑ میں بھُونیں، بیسن بنائیں، غرض شُروع سے آخر تک مجھ پر طرح طرح کی آفتیں نازِل ہوتی رہتی ہیں۔ چنے کا حضرتِ میکائیل کے دربار میں اِس طرح پر بے باکانہ چٹر پٹر بولنا سُن کر حاضرینِ دربار اِس قدر ناخُوش ہُوے کہ ہر شخص اُسے کھانے کو دَوڑا۔ چنا یہ ماجرا دیکھ کر بے اِنتظارِ حُکمِ رُخصت ہُوا۔ سو، حضرت! یہ چنے ایسے لذّت کے بنے ہیں کہ فرشتوں کے دندانِ آز بھی اِن پر تیز ہیں۔ افسوس ہے کہ اِس وَقت نمک مرچ بہم نہیں پہُنچ سکتا وَرنہ میر مدّو کے کبابوں میں یہ خستگی اَور سوندھاپن کہاں؟

غرض، مِرزا نے اپنی چرب زُبانی سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھُوکا تو تھا ہی۔ اُس کو بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزیدار معلوم ہُوے۔

مِرزا نے گھر جا کر ایک میلی دَری اَور ایک کثیف سا تکیہ بھیج دِیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالت کا اِس قدر مُتغیّر ہونا عبرت کا مقام ہے۔ یا تو خلوت خانہ اَور عشرت منزل میں تھا، یا اَب ایک مسجد میں آ کر پڑ رہا اَور مسجد بھی ایسی، جس کا تھوڑا سا حال ہم نے اُوپر بیان کیا۔ گھر کے ایوانِ نعمت کو لات مار کر نِکلا تھا، تو پہلے ہی وَقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی، نہ بہن نہ بھائی، نہ مُونس نہ غمخوار، نہ نوکر نہ خدمتگار،

مسجد میں اکیلا ایسے بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گنہگار یا قفس میں مُرغِ نَوگرفتار۔ اور کوئی ہوتا، تو اس حالت پر نظر کر کے تنبیہ پکڑتا۔ اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا، اور اُسی وقت نہیں، تو سویرے گجردم باپ کے ساتھ نمازِ صُبح میں جا شریک ہوتا، لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے۔ اس رات میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہجو میں تیار کیا اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں کہی۔ صُبح ہوتے آنکھ لگ گئی، تو نہیں معلوم مرزا یا محلّے کا کوئی عیّار ٹوپی، جوتی، رومال، چھڑی، تکیہ، دری یعنی جو چیز کلیم کے جسم سے جدا تھی، لے کر چمپت ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سو کے اُٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی۔ کوئی پہر، سوا پہر، دن چڑھے جاگا، تو دیکھتا کیا ہے، کہ فرشِ مسجد پر پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں، تو سیروں گرد کا بھبھوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضماد بدن پر تھپا ہے۔ حیران ہوا کہ قلبِ ماہیّت ہو کر میں کہیں بھتنا تو نہیں ہو گیا۔ مرزا کو اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا، کہیں پتا نہیں۔ مسجد تھی ویران۔ اُس میں پانی کہاں؟ صبر کر کے بیٹھ رہا کہ کوئی اللہ کا بندہ اِدھر کو آ نکلے، تو اُس کے ہاتھ مرزا کو بُلواؤں، اور یا ہاتھ مُنہ دھو کر مرزا تک جاؤں۔ اسی میں دوپہر ہونے کو آئی۔ اتنے میں ایک لڑکا اِدھر آ نکلا۔ وہ جونہی زینے پر چڑھا، کلیم اُس سے بات کرنے کو لپکا۔ وہ لڑکا اُس کی ہیئتِ کذائی دیکھ کر ڈر کر بھاگا۔ خدا جانے، لڑکے نے اُس کو بھوت سمجھا یا سِڑی خیال کیا۔ کلیم نے بہتیرا پکارا، لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔ ناچار کلیم نے بہزار مصیبت دُوسرے فاقے سے شام پکڑی اور جب اندھیرا ہُوا، تو وہ اُلّو کی طرح اپنے نشیمن سے نکلا۔ سیدھا مرزا کے مکان پر گیا۔ آواز دی، تو جواب مِلا کہ وہ سویرے کے قطب صاحب سِدھارے ہیں۔ کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارُف ظاہر کر کے ممکن ہو، تو مُنہ ہاتھ دھونے کو پانی مانگے اور مرزا کی پھٹی پُرانی جوتی، تاکہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے کے قابل ہو جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے کہا "کیوں جی! آپ مجھ سے بھی واقف ہیں؟" اندر سے آواز آئی "ہم تمھاری آواز تو نہیں پہچانتے۔ اپنا

نام و نشان بتاؤ، تو معلوم ہو"۔

کلیم : میرا نام کلیم ہے اور مجھ سے اور مرزا ظاہردار بیگ سے بڑی دوستی ہے، بلکہ مَیں شب کو مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں تھا۔

گھروالے: وہ دری اور تکیہ کہاں ہے، جو رات کو تمھارے سونے کے لیے بھیجا تھا؟

تکیے اور دری کا نام سن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامّل تھا کہ اندر سے آواز آئی "مرزا زبردست بیگ! دیکھنا، یہ مردُوا کہیں چل نہ دے۔ دوڑ کر تکیہ اور دری تو اس سے لے لو!"

کلیم یہ سن کر بھاگا۔ ابھی گلی کی نکّڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست بیگ نے چور چور کر کے آ لیا۔ ہرچند کلیم نے مرزا ظاہردار بیگ کے ساتھ حقوقِ معرفت ثابت کیے، مگر "زبردست کا ٹھینگا سر پر"، اس نے ایک نہ مانی اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔ کوتوال نے سرسری طور پر دونوں کا بیان سنا اور کلیم سے اس کا حسب نسب پوچھا۔ ہرچند کلیم اپنا پتا بتانے میں جھینپتا تھا، مگر چار و ناچار اس کو بتانا پڑا، لیکن اس کی ظاہری حالت ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اس کا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کوتوال نے سن کر یہی کہا کہ ــــ "میاں! جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو، مَیں ان کو خوب جانتا ہوں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ ان کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہے، جو تم نے اپنا بیان کیا۔ محلّے کا پتا، گھر کا نشان بھی، جو تم نے کہا، ٹھیک ہے، مگر کلیم تو ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ آج شہر میں اس کی شاعری کی دھوم ہے۔ تمھاری یہ حیثیت کہ ننگے سر، ننگے پاؤں اور بدن پر کیچڑ تھپی ہوئی! مجھ کو باور نہیں ہوتا اچھا، اب رات کو کیا معلوم ہوتا ہے۔ جرم سنگین ہے۔ ان کو حوالات میں رکھو۔ صبح ہو، تو مَیں ان کے والد کو بلواؤں اور ان سے بیان کی تصدیق ہو"۔

کلیم یہ سن کر رو دیا اور کہا "مَیں وہی بدنصیب ہوں، جس کی شعرگوئی کا شہرہ آپ نے سنا ہے اور آپ کو یقین نہ ہو، تو مَیں اپنے افکارِ تازہ آپ کو سناؤں"۔ چنانچہ کل شب کو مسجد اور مرزا کی شان میں جو کچھ کہا تھا، سنایا۔ اس

پر کوتوال نے اتنی رعایت کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ کیے اور حکم دیا کہ اُن کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ ان کو اپنا فرزند بتائیں، تو چھوڑ دینا ورنہ لاکر واپس حوالات میں رکھنا"۔

---

# مشق

۱ ۔ ان سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ کلیم کی عادتیں کیسے بگڑیں ؟

ب ۔ کلیم نے اپنا گھر کیوں چھوڑا ؟

ج ۔ مرزا ظاہردار بیگ نے کلیم کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

۲ ۔ مندرجۂ ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔

خود پسندی ۔ چاروناچار ۔ روبرو ۔ ظریف ۔ حکایت ۔ افکار ۔

۳ ۔ اعراب لگا کر تلفظ واضح کیجیے :۔

نیت ۔ اشتہا ۔ سڈول ۔ حکم ۔

۴ ۔ ان محاورات کا مفہوم واضح کریں :۔

لمبی تان کر سونا ۔ واویلا مچانا ۔ طیش میں آنا ۔ چڑ جانا ۔ کنارہ کش ہونا ۔

۵ ۔ اس سبق سے اسمِ صفت کی پانچ مثالیں تلاش کیجیے :۔

۶ ۔ مندرجۂ ذیل میں سے مرکب توصیفی چن کر لکھیں :۔

گہرا پانی ۔ چینی کی گڑیا ۔ حامد کی کتاب ۔ ہرا دوپٹا ۔ حامد و حامدہ ۔ اچھی تصویر ۔

گھوڑا اور گاڑی ۔ سائرہ کا گھر ۔

۷ ۔ سبق میں سے مرکب اضافی کی دس مثالیں تلاش کیجیے :۔

۸ ۔ اسم مکبّر اور اسم مصغّر کی تین تین مثالیں اپنی کاپی میں لکھیے ۔

---

# ۱۸- نشانِ حیدر

دُنیا کی ہر قوم اَپنے شُہدا کی قُربانیوں کو خراجِ تحسین ادا کرنے کے لِیے اُنھیں اِعزازات سے نوازتی اَور اِنعامات سے سَرفراز کرتی ہَے۔ چُنانچہ ہماری حُکُومت نے بھی اُن مُجاہِدین کے لِیے، جو میدانِ جنگ میں مِثالی شُجاعت کا مُظاہرہ کرتے ہَیں، بہُت سے اِعزازات اَور تمغے مُقرّر کر رکھے ہَیں۔ سَب سے بڑا اِعزاز "نشانِ حَیدر" ہَے، جو اَب تک اُن آٹھ فَوجی مُجاہِدین کو دِیا گیا ہَے، جِنھوں نے غَیر معمُولی جُرأت اَور مَردانگی کا مُظاہرہ کرتے ہُوئے جامِ شہادت نوش کِیا۔

## کپتان سَرْوَر شہیدؒ

سب سے پہلے نشانِ حیدر کا اِعزاز کپتان سرور شہیدؒ نے حاصل کِیا۔ جب پہلی مَرتبہ پاکستان اَور ہندوستان کے درمیان کشمیر کے محاذ پر جنگ ہُوئی، تو دُشمن نے ایک اَیسی پہاڑی پر مورچہ بنا لِیا، جہاں سے پاکستانی فوج پر بڑی آسانی سے گولہ باری کی جا سکتی تھی، اِس لِیے ضرُوری تھا کہ وُہ پہاڑی دُشمن کے قبضے سے چھین لی جائے۔

رات کے اَندھیرے میں کپتان سَرْوَر اپنے سپاہیوں کے ہمراہ اس پہاڑی کی طَرف چلے۔ رات کے ساڑھے تین بجے وُہ دُشمن کے مورچے کے قریب پہنچے، تو اُس نے پاکستانی سِپاہیوں پر گولیاں برسانی شرُوع کر دیں۔ کئی مُجاہِدین پَے در پَے شہید ہو گئے، لیکن کپتان سَرْوَر نے ہمّت نہ ہاری اَور باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ رِینگ رینگ کر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مورچے کے بالکل قرِیب جا پہنچے۔ ناگاہ ایک گولی کپتان سَرْوَر کے

کندھے پر آ کر لگی اور اُن کا ایک بازو بیکار ہو گیا۔ خون تیزی کے ساتھ اُن کے جسم سے بہنے لگا۔ پھر بھی وہ رینگتے رینگتے اُن خاردار تاروں تک پہنچ گئے، جنھیں کاٹ کر وہ دشمن پر ہلّہ بولنا چاہتے تھے۔ وہ برابر تار کاٹتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک اور گولی اُن کے سینے میں آ کر لگی اور یوں اِدھر کپتان سَرور نے اپنا کام مکمل کیا اور اُدھر انھوں نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اور اُن کے ساتھیوں نے پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔

کپتان سَرور کی اس بے مثال جرأت و بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت نے انھیں "نشانِ حیدر" کا اعزاز عطا کیا۔

## میجر محمّد طُفیل شہیدؒ

ہمارے دوسرے مجاہد، جنھیں یہ اعزاز ملا، میجر محمّد طُفیل تھے۔ اگست ۱۹۵۸ء میں دشمن نے مشرقی پاکستان میں ہمارے ایک گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ میجر طُفیل نے اپنے سپاہیوں کو تین حصّوں میں تقسیم کیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ دشمن پر رات کے وقت حملہ کیا جائے۔

رات کے اندھیرے اور سنّاٹے میں میجر طُفیل کا دستہ دشمن کے بہت قریب پہنچا، تو اُس نے گولیوں سے آگ برسانا شروع کر دی، لیکن میجر طُفیل آگے بڑھتے گئے۔ اتنے میں تین گولیاں ایک ساتھ اُن کے پیٹ میں آ کر لگیں اور خون فوّارے کی طرح اُن کے جسم سے بہنے لگا، لیکن اس کے باوجود وہ آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ جسم میں خون کی کمی کے باعث میجر طُفیل چکرائے اور گر پڑے، پھر اُٹھے اور سامنے اپنے افسروں سے کہا:

"مَیں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ دشمن بھاگ چکا ہے۔"

انھیں ہسپتال پہنچایا گیا، لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور دنیا میں "نشانِ حیدر" کے اعزاز سے معزّز ہوئے۔

## میجر راجہ عزیز بھٹیؒ شہیدؒ

یہ اعزاز حاصل کرنے والے تیسرے مُجاہد میجر راجہ عزیز بھٹیؒ تھے، جو ۱۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو لاہور کا دِفاع کرتے ہُوئے بیدیاں رابطہ نہر کے کنارے رات کے نو بجے شہید ہُوئے۔ وُہ ۹ ستمبر سے صِرف ایک سَو سپاہیوں کے ساتھ دُشمن کی بہت بڑی فوج کا مُقابلہ کر رہے تھے۔ اُن کے بہت سے ساتھی شہید یا زخمی ہو چُکے تھے۔ باقی ماندہ کو نہ کھانے پینے کا ہوش تھا نہ سونے اَور آرام کرنے کی فُرصت۔ میجر عزیز بھٹیؒ سے جب اُن کے ایک اَفسر نے کُچھ دیر آرام کرنے کو کہا، تو اُنھوں نے جواب دِیا:

"میں اَپنی سرحد کا دفاع کرتے ہُوئے مَرنا چاہتا ہُوں"۔

دُشمن کی تعداد بہت زِیادہ تھی اَور اُس کے پاس جدید اَسلحے کی فراوانی تھی۔ میجر عزیز بھٹیؒ ایک اُونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اَپنے توپچیوں کو ساتھ ساتھ بتانے لگے کہ وُہ نشانہ کہاں اَور کِس طَرف کو لگائیں۔ اِس طرح پاکستانی توپوں کے گولے ٹھیک نشانے پر بیٹھنے لگے اَور دُشمن کا نقصان ہونے لگا۔ اُدھر دُشمن نے توپوں سے آگ اُگلوانے کا عمل تیز کر دِیا۔ اِس کی پَروا کِیے بغیر میجر عزیز بھٹیؒ مُسلسل تین دِن اَور تین راتیں اَپنی جان ہتھیلی پر رکھے دُشمن کا مُقابلہ کرتے رہے۔

آخر ٹینک کے ایک گولے سے وُہ شہید ہو گئے۔

اُنھوں نے اَپنی جان وَطن پر قُربان کر دی، لیکن دُشمن کو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دِیا۔ اِس عظیم قُربانی کے لِیے اُنھیں "نشانِ حیدرؓ" کا اِعزاز دِیا گیا۔

## راشد منہاس شہیدؒ

جُرأت و شُجاعت کا مُظاہرہ کر کے یہ اِعزاز حاصل کرنے والے چوتھے مُجاہد زیرِ تربیت پائلٹ اَفسر راشد منہاس تھے، جنھوں نے صِرف بیس برس کی

عُمر میں یہ اِعزاز حاصل کر کے دُنیا کو حیرت میں ڈال دِیا۔

۲۰ اگست ۱۹۷۱ء کو وُہ تربیتی پرواز پر روانہ ہونے ہی کو تھے کہ اُن کے اِنسٹرکٹر مُطیع الرّحمٰن نے طیّارے کے اَندر گھس کر اُس کا کنٹرول خُود سنبھال لیا۔ وُہ غدّارِ وطن تھا۔ وُہ طیّارے کو اغوا کر کے پاکستان کے کُچھ خُفیہ اَور اَہم فوجی راز دُشمن کو پہُنچانا چاہتا تھا۔

راشِد منہاس نے کنٹرول حاصل کرنے کی بہُت کوشِش کی اَور اسی کشمکش کے دوران میں اُن کے یہ اَلفاظ کنٹرول ٹاور، کراچی، میں سُنائی دیے:

"میرے طیّارے کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ غدّار کے ساتھیوں کو ہندوستانی سفارت خانے میں پناہ لینے سے روکو!"

اِس کے بعد کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر راشِد منہاس نے طیّارے کا رُخ زمین کی طرف کر دیا اَور اُسے زمین سے ٹکرا دِیا، جو گرتے ہی پاش پاش ہو گیا۔ راشِد منہاس نے اَدائے فرض کی خاطِر جان قُربان کر دی، لیکن خُفیہ راز اَور اَہم کاغذات دُشمن تک نہ پہُنچنے دیے۔

پاک فضائیہ کے یہ پہلے شہید تھے، جنھیں "نشانِ حیدر" کا اِعزاز عطا ہُوا۔

## میجر محمّد اَکرم شہید رح

سرفروشی اَور جانبازی کی پانچویں داستان میجر مُحمّد اَکرم کی ہے، جنھوں نے ۱۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کو معرکۂ ہلّی میں جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ ایک سرحدی چوکی تھی، جس پر قبضہ کر کے دُشمن ہماری سپلائی لائن کو توڑ دینا چاہتا تھا، لیکن میجر اَکرم اُس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہونے دیتے تھے۔ ۱۴ دسمبر کو دُشمن نے بے شُمار ٹینکوں اَور اَسلحے کے ساتھ زبردست حملہ کیا۔ میجر اَکرم نے مُٹھی بھر مُجاہدوں کے ساتھ مِل کر نہ صِرف ہمّت و جُرأت کا، بلکہ اَعلیٰ جنگی حکمتِ عملی کا شاندار مُظاہرہ کیا اَور دُشمن کو مُغالطے میں ڈال کر اُس پر ہلّہ بول دِیا اَور اُس کی پُوری بٹالین کا صفایا کر دِیا۔ دُشمن کے مُتعدّد

ٹینک بھی تباہ کر دیے اور اسی دست بدست لڑائی میں شہادت کی سعادت حاصل کی، مگر جیتے جی دشمن کو ملک کی چپّہ بھر زمین پر بھی قابض نہ ہونے دیا۔

## میجر شبّیر شریف شہیدؒ

ہمّت و استقلال کا چھٹا بے مثال نمونہ میجر شبّیر شریف نے سلیمانکی فاضلکا محاذ پر، بحیثیت کمپنی کمانڈر، پیش کیا، جہاں دشمن نے زبردست دفاعی اہتمام کر رکھّا تھا۔

دشمن کے دفاعی انتظامات میں ایک دفاعی نہر کے علاوہ کنکریٹ اور لوہے کے پختہ مورچے اور بارودی سرنگیں شامل تھیں۔ نہر پر ایک بہت بڑا بند بھی تھا۔ اس بند پر قبضہ کرنے کے لیے میجر شبّیر شریف، دشمن کے سارے انتظامات درہم برہم کرتے ہوئے، تین کلومیٹر تک، آگے بڑھتے گئے اور دشمن کی ایک چوکی اور ایک گاؤں پر قبضہ کر لیا۔

انھوں نے بڑی دلیری سے نہر کو بھی پار کر لیا اور دست بدست لڑائی میں دشمن کے بیسیوں سپاہیوں کو نیست و نابود کر کے بقیّہ کو ان کے مورچوں سے مار بھگایا۔ پھر انھوں نے توپچی کی جگہ سنبھال لی اور دشمن کے ٹینکوں کا صفایا کرنے لگے۔

اسی دوران میں دشمن کا ایک گولہ ان کے سینے میں آکر لگا اور وہ شہید ہو گئے، لیکن شہادت سے قبل وہ اپنا مشن پورا کر چکے تھے۔

## سوار محمّد حسین شہیدؒ

وطنِ عزیز کے دفاع میں جسم و جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ساتویں داستان سوار محمّد حسین کی ہے۔ یہ پہلے فوجی سپاہی تھے، جنھوں نے "نشانِ حیدر" کا اعزاز حاصل کیا۔ اس سے قبل یہ اعزاز صرف افسروں ہی کو ملا تھا۔

سوار محمد حسین ایک بکتر بند رجمنٹ میں ہلکی موٹر گاڑیوں کے ڈرائیور تھے۔ اُن کا اصل فریضہ محاذِ جنگ تک اسلحہ وغیرہ پہنچانا تھا۔ لیکن وہ حب الوطنی کے جذبے میں اس قدر سرشار تھے کہ ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو انھوں نے سیالکوٹ کے محاذ کے کمانڈر سے درخواست کی کہ انھیں بھی دشمن سے جنگ کی اجازت دی جائے۔ اُن کی یہ رضاکارانہ پیش کش قبول کر لی گئی اور ایک سٹین گن اُن کے حوالے کر دی گئی۔ اسی روز رجمنٹ کو حکم ہوا کہ نالہ "ڈیک" اور "بئیں" کی طرف دشمن کی پیش قدمی روک دی جائے۔

اس مہم میں پیش پیش رہتے ہوئے سوار محمد حسین نے دشمن کا ہر حملہ ناکام بنا دیا۔ ۹ دسمبر کو سوار محمد حسین نے موضع ہرڑ خورد کے نواح میں دشمن کا کھوج لگا کر اپنی سٹین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ کر کے اُسے سخت نقصان پہنچایا۔ ۱۰ دسمبر کو وہ اِدھر اُدھر گشت کر کے دشمن پر گولہ باری کرواتے رہے۔ اُن کی نشان دہی پر دشمن کے سولہ ٹینک تباہ کیے گئے۔ پھر وہ تن تنہا دشمن کے اگلے مورچوں تک جا پہنچے اور اس کی پوزیشن کا صحیح اندازہ کر کے اُس پر اچانک حملہ کرا دیا اور اُسے شدید جانی نقصان پہنچایا اور اُس کے اٹھارہ ٹینک تباہ ہوئے۔

دشمن کی زبردست فائرنگ کے باوجود سوار محمد حسین ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہے۔ اسی دوران میں دشمن کی مشین گن کی بہت سی گولیاں بیک وقت اُن کے سینے میں لگیں اور وہ شہید ہو گئے، لیکن دشمن کا حملہ بُری طرح ناکام ہو چکا تھا۔

## لانس نائیک محمد محفوظ شہیدؒ

دلیری و مردانگی کی آٹھویں مثال لانس نائیک محمد محفوظ نے پیش کر کے یہ اعلیٰ اعزاز حاصل کیا۔ ایک سپاہی کی حیثیت سے یہ دوسرے مجاہد تھے، جنھوں نے لاہور کے واہگہ اٹاری محاذ پر دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت

کا درجہ حاصل کر کے "نشانِ حیدر" کا اعزاز پایا۔

ہمارے مجاہدین نے دشمن کی ایک چوکی پر، جو نہر کے پُل پر تھی، ابتدا ہی میں قبضہ کر لیا تھا۔ دشمن اس چوکی کو واپس لینے کے لیے دو رجمنٹ فوج لے آیا۔ ہماری کمپنی دشمن کے توپ خانے کی زد میں تھی اور وہ خودکار اسلحے سے آگ برسا رہا تھا۔ آزمائش کی اس کٹھن گھڑی میں، لانس نائیک محفوظ مشین گن سے گولیاں برسانے لگے۔ دشمن کے ایک گولے سے اُن کی مشین گن بے کار ہو گئی، لیکن اُنھوں نے کمال دلیری سے مشین گن کے ایک اور مورچے میں چھلانگ لگا دی، جس کا توپچی شہید ہو چکا تھا۔

نئی مشین گن سنبھال کر وہ دشمن کے "بنکر" کی جانب بڑھے، کیونکہ وہیں سے دشمن اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا۔ توپ کے ایک گولے سے محفوظ کی ٹانگ شدید زخمی ہو گئی، لیکن وہ سینے کے بل سرکتے ہوئے آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ دشمن کے "بنکر" میں کود گئے۔

دشمن نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ایک گولی محمّد محفوظ کے سینے میں لگی، لیکن اس حالت میں بھی اُنھوں نے دشمن کے ایک بندوقچی کی گردن کو اپنے ہاتھوں کے شکنجے میں لے لیا۔

اتنے میں ایک دشمن سپاہی نے اُن پر فائر کیا اور دوسرے نے اپنی سنگین اُن کے جسم میں گھونپ دی۔

اور یوں اس شان سے لانس نائیک محمّد محفوظ نے جامِ شہادت نوش کیا کہ شہادت کے بعد بھی دشمن کی گردن اُن کے ہاتھ میں تھی۔ اُن کی بہادری کا اعتراف بعد میں خود دشمن نے بھی کیا! ؎

**اے شہیدانِ وطن! تُم پر سلام**

**تُم نے روشن کر دیا مِلّت کا نام**

---

# مشق

۱۔ مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ "نشانِ حیدر" سے کیا مراد ہے ؟

ب ۔ ملک و ملت کی ترقی کے لیے جذبۂ جہاد کس طرح مفید ہے ؟

ج ۔ پاکستان میں شہیدوں اور غازیوں کے لیے "نشانِ حیدر" کے علاوہ کون کون سے اعزازات ہیں ؟

د ۔ پاکستان میں اب تک "نشانِ حیدر" کس کس شہید کو ملا ہے ؟

۲۔ اس سبق میں آٹھ شہیدوں کے کارنامے اختصار سے بیان کیے گئے ہیں ۔ آپ ان کے مکمل واقعات کتابوں میں پڑھیے ۔

۳۔ ان مرکبات کے معنی لکھیے :۔

ابتلا و آزمائش ۔ حیاتِ جاودانی ۔ خراجِ تحسین ۔ جاں آفریں ۔ عزم و استقلال ۔ ولولہ انگیز ۔

۴۔ اس سبق میں سے اُن الفاظ کی فہرست تیار کریں ، جن کا فوج اور جنگ سے خاص تعلق ہے ، مثلاً : میجر ، کپتان ، حملہ ، گولہ باری وغیرہ ۔

۵۔ درجِ ذیل جملوں میں فعل کی حالت پر غور کیجیے :۔

ا۔ انھیں ہسپتال پہنچایا گیا ۔

ب۔ دشمن کے ٹینک تباہ کر دیے ۔

خط کشیدہ الفاظ ایسے ہیں ، جن کے فاعل کا ذکر جملے میں موجود نہیں ۔ ایسے فعل کو "فعلِ مجہول" کہتے ہیں ۔ اس سبق سے "فعلِ مجہول" کی پانچ مثالیں تلاش کیجیے ۔

۶۔ مندرجۂ ذیل میں سے مرکبِ اضافی اور مرکبِ توصیفی الگ کیجیے :۔

اُس کا بازو ۔ جرأت اور حوصلہ ۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ۔ سپاہی اور افسر ۔ بچہ و جوان ۔ اہم چوکی ۔ فتح و شکست ۔ توپ اور بندوق ۔ حبِ وطن ۔

# ۱۹- مِرے سَر بکَف مجاہِد

یہ ہواؤں کے مُسافر، یہ سمندروں کے راہی
مِرے سَر بکف مُجاہِد، مِرے صَف شِکن سِپاہی

یہ تِرا یقینِ مُحکم، تِری ہِمّتوں کی جاں ہے
تِرے بازُوؤں کی قوّت، تِرے عزم کا نِشاں ہے
تُو جِدھر نظر اُٹھائے، تُو جِدھر قدم بڑھائے
وُہ زمیں تِری زمیں ہے، وُہ جہاں تِرا جہاں ہے

تُو وطن کا پاسباں ہے، تِرے ہاتھ میں ہے شاہی
مِرے سَر بکَف مُجاہِد، مِرے صَف شِکن سِپاہی

تِرے اَبرُوؤں کی جُنبِش، تِرے ہاتھ کا اِشارہ
تِرے دُشمنوں پہ آفت، تِرے قہر کا شرارہ
تُو وطن کی آبرُو ہے، تُو وطن کا ہے سہارا
اِسی آبرُو سے چمکا، تِرے دیس کا سِتارا

یہی بانکپن ہے تیرا، یہی تیری کجکُلاہی
مِرے سَر بکَف مُجاہِد، مِرے صَف شِکن سپاہی

(صُوفی غلام مُصطفیٰ تبسّم)

# مَشق

ا ـ مُندرجۂ ذَیل سَوالوں کا جَواب دِیجیے :ـ

ا ـ "یہ ہَواؤں کے مُسافِر" سے شاعِر کی کیا مُراد ہے ؟

ب ـ "سَمَندروں کے راہی" کا اِشارہ کِس طَرَف ہے ؟

ج ـ "سَرکَف مُجاہِد" سے آپ کیا سَمجھتے ہیں ؟

د ـ "ترے ہاتھ میں ہے شاہی" کا مَفہُوم بیان کیجیے ـ

۲ ـ کِسی مُجاہِد کی کہانی اَپنے اَلفاظ میں بیان کیجیے ـ

۳ ـ مُندرِجۂ ذَیل اَلفاظ کے معنی لِکھیے :ـ

یَقینِ مُحکَم ـ قَہر ـ بانکپن ـ کَج کُلاہی ـ

۴ ـ دُوسرے بند میں سے قافیے کے اَلفاظ اَلگ کیجیے اور اُن کے ساتھ چار اَلفا
خُود شامِل کیجیے ـ

۵ ـ "تھکَن" کے لَفظ پر غور کیجیے ـ یہ وُہی مَفہُوم دیتا ہے، جو "تھکنا" مَصْدر میں پا
جاتا ہے ، اس لِیے "تھکن" کو حاصِل مَصْدر کہیں گے ـ اِسی طرح کی چَند مِثال
یہ ہیں :ـ

بِکنا سے بِکری ـ

گھبرانا سے گھبراہٹ ـ

اب آپ ذَیل کے مَصْدَروں سے حاصِل مَصْدَر بنا کر لِکھیں :ـ

دَوڑنا ـ چلنا ـ جھگڑنا ـ پڑھنا ـ لِکھنا ـ

۶ ـ مُندَرجۂ ذَیل میں سے مُرَکَّبِ عَطفی کَون کَون سے ہیں :ـ

نیلا آسمان ـ دِن اَور رات ـ شاہد کا قَلَم ـ نیک عَورت ـ صغیر و کبیر
حمید کا گھر ـ نیکی و بَدی ـ

۷ ـ اِسمِ جمع کی چار مِثالیں پیش کیجیے ـ

# ۲۰۔ آبادی کے مسائل

پچھلے ہفتے مجھے اپنے اُس مدرسے میں جانے کا اتّفاق ہُوا، جہاں میں آج سے پچّیس تیس برس قبل پڑھا کرتا تھا، لیکن یہاں سے دسویں جماعت کا امتحان پاس کر کے ایسا گیا کہ اس مدرسے میں تو کیا، اس شہر میں بھی واپس نہ آ سکا۔ اب جو ایک طویل مدّت کے بعد مدرسے کے دروازے پر پہنچا، تو ایک عجیب ہی نقشہ نظر آیا۔ وُہ مدرسہ، جو کبھی شہر سے ایک میل دُور، سرسبز و شاداب کھیتوں کے درمیان واقع تھا، اب بلند و بالا عمارتوں میں گھر چکا تھا اور اس کے اِردگرد کی آبادی کافی گنجان ہو چکی تھی۔ مدرسے کے ساتھ دُکانیں تھیں اور پیچھے مکانات بنے ہُوے تھے۔

مدرسے کے اندر داخل ہُوا، تو کیا دیکھتا ہُوں کہ مدرسے کا حُلیہ ہی بدل چکا ہے۔ وُہ عمارت، جو کبھی دس بارہ کمروں پر مشتمل تھی، اب وہاں کمرے ہی کمرے تھے۔ یہاں تک کہ کھیل کا وُہ وسیع و عریض میدان، جہاں ہم ہاکی اور فٹ بال کھیلا کرتے تھے، اب کمروں، تجربہ گاہوں اور ورکشاپوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ مدرسے میں ایک صحن البتّہ باقی تھا، لیکن اتنا چھوٹا کہ طلبہ صبح کی دُعا کے لیے بمشکل وہاں جمع ہو سکتے تھے۔

مَیں نے مدرسے کی پُرانی عمارت میں اپنا کمرہ پہچاننے کی کوشش کی، لیکن ٹھیک سے شناخت نہ کر سکا۔ شاید اس لیے کہ کمروں کے اِردگرد تمام برآمدے بھی کمروں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ خیر، ایک کمرے پر مجھے اپنی دسویں جماعت کے کمرے کا گمان ہُوا۔ مَیں نے فرطِ اشتیاق سے کھڑکی میں سے اندر جھانکا، تو دماغ چکرا گیا۔ جس کمرے میں کبھی ہم تیس بتّیس طلبہ بیٹھا کرتے تھے، اب وہاں ستّر اسّی لڑکے موجود تھے۔ ایک ایک ڈیسک پر چار چار لڑکے اور ہر ڈیسک دُوسرے سے یُوں ملا ہُوا کہ اُستاد کے لیے کمرۂ جماعت میں گھومنا بھی

مُمکِن نہ تھا۔

یہاں میری آمد کا مقصد اپنی اِس عظیم دَرسگاہ کو سلام پیش کرنا تھا، کیونکہ میری ترقّی اور شہرت میں اِس مادرِ علمی کا بہت بڑا حصّہ تھا۔ مَیں اِس کے قدموں میں عقیدت کے پھول نچھاور کرنے آیا تھا۔ مُجھے یہاں کے درودیوار سے محبّت تھی۔ مَیں مَدرَسے میں تیزی سے گھُومنے لگا۔ جس قدر تیزی سے مَیں گھوم رہا تھا اُس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے میرے ذہن میں خیالات کی گردش کا سِلسلہ جاری تھا۔ اِس وقت میری نگاہوں کے سامنے تیس سال قبل کا مَدرَسہ تھا، جہاں ہم تین سَو طَلَبہ یُوں زیرِ تعلیم تھے، جیسے ایک ہی خاندان کے اَفراد ہوں۔ ہر اُستاد ہر طالبِ عِلم کو جانتا تھا اور مَدرَسے کا ہر طالبِ عِلم دُوسرے ہر طالبِ عِلم کو نہ صِرف شکل سے پہچانتا تھا بلکہ اُسے نام سے پُکارتا تھا۔ کُشادہ اور ہَوادار کمروں کے اِرد گرد کھُلے کھُلے برآمدے اور برآمدوں کے آگے وسیع میدان۔ مَدرَسے میں پہنچتے تو دِل کا کنوَل کھِل جاتا تھا۔ ہر طالبِ عِلم اُستاد کی توجّہ کا مرکز اور ہر اُستاد طالبِ عِلم کے لیے مجسّمۂ شفقت!

میرے ذِہن میں مختلف نقُوش اُبھرتے، کچھ چہرے سامنے آتے اور محو ہو جاتے اور پھر اُن کی جگہ نئی شکلیں لے لیتیں۔ میرے تمام اَساتذۂ کرام ماضی کے دُھندلکوں میں سے ایک ایک کر کے سُورَج کی کرنوں کی طرح اُبھرتے اور میرے دل کو گُدگُداتے ہُوئے ماضی کے پردوں میں چھُپتے چلے جاتے۔ مَیں اِنھی خیالات میں کھویا ہُوا تھا کہ گھنٹی کی ٹن ٹن نے مجھے چونکا دِیا۔ گھنٹی کا بجنا تھا کہ مَدرَسے کے چاروں طرف سے لڑکوں کا ایک سیلاب سا اُمڈ آیا۔ مَیں نے ایک لڑکے سے پُوچھا کہ اِس مَدرَسے میں طَلَبہ کی تعداد کیا ہے؟ تو جواب مِلا "تین ہزار!" یہ سُن کر مجھے چکّر سا آ گیا! اِس لیے نہیں کہ یہ ڈھیر سارے طَلَبہ تعلیم کیوں حاصِل کر رہے ہیں، بلکہ اِس لیے کہ وَسائل اور سُہولتوں کے لحاظ سے اِس مَدرَسے میں تین ہزار طَلَبہ کی تعلیم کی ہرگز گنجائش نہ تھی۔ مَیں نے سوچا، اگر طَلَبہ کو تعلیم کی مُناسب سُہولتیں نہ مِلیں، تو اِس کا اَثر مِعیارِ تعلیم پر پڑے گا اور اگر تعلیم کا مِعیار گر گیا، تو اِس سے زِندگی کے تمام شُعبے مُتاثّر ہوں گے۔

مَیں اِسی اُدھیڑبُن میں تھا کہ ایک مرتبہ پھر گھنٹی بجی اور لڑکے اپنی اپنی جماعتوں میں آ گئے۔ یُوں لگا جیسے مُتلاطم سمُندر میں یک دم سُکون آ گیا ہو۔

مُجھے مدرسے میں آئے کوئی دو ڈھائی گھنٹے ہو چکے تھے۔ میں نے اس کے در و دیوار کی جی بھر کے زیارت کر لی تھی اور مَیں واپس جانے ہی کو تھا کہ میری نظر سامنے ایک مانُوس چہرے پر پڑی۔ رَوشن چہرہ، کھچڑی ڈاڑھی، رُعب دار شکل، سَر پر جناح کیپ، ہاتھ میں چھڑی! غور سے دیکھا، تو معلوم ہُوا کہ یہ میرے اُستادِ مُحترم، جناب عَبدُالقادِر ہَیں۔ مَیں فوراً آگے بڑھا اور جُھک کر اُنھیں سلام کیا۔ پہلے تو اُنھوں نے مجھے نہ پہچانا، لیکن جب میں نے اپنا نام بتایا، تو فوراً پہچان گئے اور مجھے گلے سے لگا لیا اور اپنے ساتھ دفتر میں لے گئے۔ آجکل وُہی اس مدرسے کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اُن سے مِل کر عہدِ رفتہ کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ اپنے اُستادِ مُحترم اور ہم سبقوں کے بارے میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ دَورانِ گفتگو میں، مَیں نے اپنے پُرانے مدرسے اور آج کے مدرسے میں نمایاں تفاوُت پر حیرت کا اظہار کیا، تو فرمانے لگے "اظہر! تُم ٹھیک کہتے ہو، لیکن یہ بھی سوچو کہ جو مدرسہ صِرف تین سَو طلبہ کے لیے بنا تھا، اَب وَہاں تین ہزار طلبہ تعلیم پاتے ہَیں۔ بلاشبہ کمروں، فرنیچر اور اَساتذہ کی تعداد میں اِضافہ ہُوا ہے، لیکن باقی سہُولتیں بڑھنے کے بجائے گھٹی ہَیں۔ بچّے کھیل کُود کے مَیدان سے محرُوم ہو گئے ہَیں۔ اَب اِنھیں اُساتذہ کی وُہ خصُوصی توجّہ کہاں مُیسّر، جو تُمھارے زمانے میں ہر طالبِ علم کو مِلتی تھی!"

مَیں نے عَرض کیا — "اگر مدرسے میں مُناسب سہُولتوں کا فُقدان ہے، تو آپ اپنے مدرسے میں اِتنے بچّے داخل کیوں کرتے ہَیں؟" فرمانے لگے "اگر میں انھیں داخل نہ کروں، تو یہ بیچارے کہاں مارے مارے پھریں؟ ذرا مدرسے سے باہر نظر اُٹھا کر تو دیکھو، ہر طَرف آبادی ہی آبادی ہے۔ کیا تُمھارے زمانے میں یہ کیفیت تھی؟" مَیں نے کہا "ہرگز نہیں۔ یہاں تو ہرے بھرے کھیت ہُوا کرتے تھے"۔ فرمانے لگے — "اور اب کھیتوں کی جگہ مکانوں نے لے لی ہے۔ پھر ایک ایک مکان میں دو دو، تین تین خاندان آباد ہَیں اور ہر خاندان میں پانچ سات بچّے تو ضرُور ہوں گے۔ پہلے تو یہاں ایک ہی مدرسہ تھا۔ اب حکُومت نے دو

ہائی سکول اور کھول دیے ہیں ۔ تب بھی ہر مدرسہ یونہی کھچا کھچ بھرا ہوا ہے ۔ ہاں، ہمارے مدرسے پر اس کی پرانی شہرت کے سبب داخلے کا دباؤ کچھ زیادہ ہی رہتا ہے، اور یوں بھی بچّوں کو داخلے سے انکار کرتے ہوئے دکھ محسوس ہوتا ہے۔ تعلیم تو ہر بچّے کا بنیادی حق ہے ۔ جو بچّے آج تعلیم سے بے بہرہ رہیں گے، وہی کل کو ملک اور معاشرے پر بوجھ بنیں گے ۔ تمھارے زمانے میں اس شہر کی آبادی پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی ۔ اب اس کی آبادی پانچ لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہے"۔

میں نے پوچھا "ایسا کیونکر ہوا؟" فرمانے لگے "کچھ تو ظاہر ہے، پیدائش کی وجہ سے، لیکن زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس شہر میں یکے بعدِ دیگرے بہت سے کارخانے لگتے چلے گئے ۔ اردگرد کے دیہات سے لوگ کارخانوں میں کام کرنے کے شوق میں اس شہر کا رخ کرتے رہے اور رفتہ رفتہ یہ شہر دیہات سے آئے ہوئے لوگوں سے بھر گیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر و بیشتر کارندوں نے شہر کے باہر، جہاں جگہ ملی، اپنی جھونپڑی بنا لی۔ ہوتے ہوتے یہی جھونپڑیاں مکانوں اور بستیوں میں تبدیل ہو گئیں ۔ چونکہ یہ بستیاں کسی منصوبہ بندی کے بغیر ظہور میں آئی تھیں، اس لیے یہاں زندگی کی سہولتیں مہیا نہ ہو سکیں ۔ ان بستیوں کے مکینوں کو اب متعدد مسائل کا سامنا ہے ۔ پینے کا صاف پانی انھیں میسّر نہیں ۔ گندے پانی کے نکاس کا انتظام یہاں موجود نہیں ۔ بارش ہو جائے تو یہ بستیاں جزیروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں ۔ مکھی اور مچھر یہاں خوب پرورش پاتے ہیں، جن کی وجہ سے ملیریا اور ہیضے کا خدشہ دائم رہتا ہے ۔ اگر وہاں کوئی وبا پھوٹ پڑے، تو پورا شہر اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے ۔ ان آبادیوں میں تعلیم کی کمی ہے اور جہاں تعلیم کی کمی ہو، وہاں لوگوں کو یہ شعور کہاں سے آئے کہ ان کے مسائل کی ایک وجہ آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہے"۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا "اظہر! اگر موقع ملے، تو ان آبادیوں میں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ آبادی میں بے ہنگم اضافے کے باعث تمھارا یہ پرانا شہر اب کن کن مسائل سے دوچار ہے! میونسپل کمیٹی اور حکومت کی پوری توجّہ کے باوجود شہر کے وسائل اور سہولتوں میں اتنا اضافہ نہیں ہوا، جتنا کہ آبادی میں ہوا ہے ۔ گاڑیوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ سڑکیں تنگ ہو

گئی ہیں ۔ پہلے ایک ہسپتال تھا اور مریضوں کو داخلے میں کوئی دِقّت محسوس نہیں ہوتی تھی ۔ اب چار ہسپتال ہیں، لیکن علاج مُعالجے میں جو دُشواری اب ہے ، پہلے کبھی نہ تھی ۔ شہر میں کئی نئے مدرسے کھل چکے ہیں، لیکن پھر بھی سینکڑوں بچّوں کو داخلہ نہیں ملتا ۔ حکومت یہاں کے لوگوں کی مدد کر رہی ہے ۔ کچّی آبادیوں میں پکّی گلیاں اور نالیاں بنائی جا رہی ہیں ۔ بجلی مُہیّا کر دی گئی ہے ۔ اس کے باوجود ان بستیوں کی ہیئت تو دیکھو، اسے بدلنا تو آسان کام نہیں ! کاش یہ شروع ہی میں کسی منصوبے کے تحت بنتیں !"

میں نے عرض کیا، "آپ سو فی صد دُرست فرما رہے ہیں ۔ ہمارے مُعاشرے، بلکہ ہماری پوری زندگی میں منصوبہ بندی کا فقدان ہے ۔ اگر یہ سب کارخانے ایک ہی شہر میں لگنے کے بجائے مختلف چھوٹے چھوٹے شہروں میں پھیلا دیے جاتے، تو اس شہر پر آبادی کا دباؤ اس قدر شدید نہ ہوتا ۔"

میں نے سوچا، اس شہر کے مسائل میں یہاں کی بڑھتی ہوئی آبادی کا بڑا ہاتھ ہے ۔ مجھے وحشت سی ہونے لگی کہ اگر اس شہر کی آبادی یونہی بڑھتی رہی، تو چند ہی سال میں دُگنی ہو جائے گی، لیکن یہ تو ممکن نہ ہوگا کہ وسائل اور سہولتوں میں بھی اسی نسبت سے اضافہ ہو جائے ! اور یوں ان لوگوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا ! پھر مجھے خیال آیا کہ جس طرح اس شہر کی آبادی بڑھ رہی ہے، اسی طرح ہمارے پورے ملک کی آبادی بھی تو بڑھ رہی ہے ۔ ۱۹۶۱ء میں ہماری آبادی چار کروڑ تھی ۔ ۱۹۷۱ء میں یہ ساڑھے چھے کروڑ ہو گئی اور اب اس کا اندازہ آٹھ کروڑ پینتیس لاکھ کا ہے ۔ اگر ہم نے ملکی وسائل کو بڑھانے کی کوشش نہ کی اور اُن مخفی خزانوں کا کھوج نہ لگایا، جو ہنوز زمین کے سینے میں دفن ہیں ۔ اسی طرح اگر ہم نے مزید محنت کر کے موجودہ سہولتوں میں اضافہ نہ کیا اور آبادی کو یونہی بڑھنے دیا، تو پورا ملک مزید مشکلات کا شکار ہو جائے گا ۔

مجھے گہری سوچ میں دیکھ کر ہیڈ ماسٹر صاحب نے پوچھا "اظہر ! کیا سوچ رہے ہو ؟" میں نے عرض کیا "سوچ رہا ہوں کہ اگر کسی ملک کے وسائل اور آبادی میں توازن برقرار نہ رہے، تو قوم پر اس کے کیا اثرات مرتّب ہوتے ہیں ! شہر کی آبادی غیر متوازن ہو، تو صحت، صفائی، تعلیم، رہن سہن غرض ہر شے متاثّر ہو کر

رہتی ہے۔ مدرسے کی آبادی میں توازن نہ رہے، تو معیارِ تعلیم گر جاتا ہے۔ پس اگر مُلک کی آبادی وسائل سے بے نیاز ہو کر بڑھنے لگے، تو پورا مُلک اقتصادی زبوں حالی کا شکار ہو جاتا ہے"۔

---

# مشق

۱۔ اِن سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ اِس کہانی کے مُصنّف کو اپنا کمرۂ جماعت پہچاننے میں دِقّت کیوں پیش آئی ؟

ب ۔ پچّیس تیس برس کے عرصے میں مدرسے میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہوچکی تھیں ؟

ج ۔ اِس کہانی میں جس شہر کا ذِکر ہے، اُس کی آبادی کیونکر بڑھی اور اِس سے کون کون سے مسائل پیدا ہوئے ؟

د ۔ کسی مُلک کے وسائل اور آبادی میں توازن برقرار نہ رہے، تو اِس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے؟

۲۔ مُندرجۂ ذیل کو جملوں میں اِستعمال کیجیے :۔

بُلند و بالا ۔ وسیع و عریض ۔ مادرِ علمی ۔ وجہِ سکُون ۔ باعثِ فرحت ۔ اُدھیڑ بُن ۔ خاطر خواہ ۔ فرطِ اِشتیاق۔

۳۔ معنی بتائیے : اِقتصادی زبُوں حالی ۔ غیر مُتوازن ۔ فُقدان ۔ عہدِ رفتہ ۔ مخفی ذخائر ۔

۴۔ اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کیجیے :۔

معاشرہ ۔ شناخت ۔ اشتیاق ۔ طالب علم ۔ محترم ۔ سبق ۔ انتظام ۔ متحمل ۔

۵۔ "تک" ۔ "میں" ۔ "سے" ۔ "ہی" ۔ "کو" میں سے مُناسب حرف لگا کر جُملے مُکمّل کیجیے :۔

ا ۔ تمام لوگ چاند کی خاطر آسمان ........ دیکھ رہے تھے ۔

ب ۔ وہ اُردو عبارت ہمیشہ قلم........ لکھتا ہے ۔

ج ۔ اُس نے لاہور سے کراچی ........ گاڑی سے سفر کیا ۔

د ۔ اُس نے لفظ کے معنی لُغت ........ دیکھے ۔

۶۔ اِن کے حاصلِ مصدر لکھیے :۔

ٹوٹنا ، کہنا ، سجانا ، بھولنا ، پشوانا ۔

---

# ۲۱ - مچّھر

یہ بھنبھناتا ہُوا ننّھا سا پرندہ آپ کو بہت ستاتا ہے - رات کی نیند حرام کر دیتا ہے - ہندو ، مسلمان ، عیسائی ، یہودی بالاتفاق اِس سے ناراض ہیں - ہر روز اِس کے مقابلے کے لیے مُہمّیں تیار ہوتی ہیں ، مگر مچّھروں کے جرنیل کے سامنے کسی کی نہیں چلتی - شکست پر شکست ہوتی چلی جاتی ہے - اتنے بڑے ڈیل ڈول کا انسان ذرا سے بھُنگے پر قابُو نہیں پا سکتا - طرح طرح کے مسالے بناتا ہے کہ ان کی بُو سے مچّھر بھاگ جائے ، لیکن مچّھر اپنی یورش سے باز نہیں آتے - آتے ہیں اور نعرہ لگاتے ہوئے آتے ہیں - بے چارہ آدم زاد حیران رہ جاتا ہے - امیر غریب ، اَدنیٰ اعلیٰ ، بچے بوڑھے ، عورت مرد کوئی اِس کے وار سے محفوظ نہیں - یہاں تک کہ آدمی کے پاس رہنے والے جانوروں کو بھی اِس کے ہاتھ سے ایذا ہے - مچّھر جانتا ہے کہ دُشمن کے دوست بھی دُشمن ہوتے ہیں - اِن جانوروں نے میرے دُشمن کی اطاعت کی ہے ، تو میں اِن کو مزا چکھاؤں گا - آدمیوں نے مچّھروں کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی - ہر شخص اپنی سمجھ اور عقل کے مُوافق مچّھروں پر اِلزام رکھ کر لوگوں میں اُن کے خلاف جوش پیدا کرنا چاہتا ہے ، مگر مچّھر اِس کی کچھ پروا نہیں کرتا -

طاعون نے گڑبڑ مچائی ، تو انسان نے کہا کہ طاعون مچّھر اور پسّو کے ذریعے پھیلتا ہے - اِن کو تباہ کر دیا جائے ، تو یہ ہولناک بلا دُور ہو جائے گی - ملیریا پھیلا ، تو اس کا اِلزام بھی مچّھر پر عاید ہُوا - اس سرے سے اُس سرے تک کالے گورے آدمی غل مچانے لگے کہ مچّھروں کو مٹا دو - مچّھروں کو کچل ڈالو - مچّھروں کو تہس نہس کر دو ، اور ایسی تدبیریں نکالیں ، جن سے مچّھروں کی نسل ہی مُنقطع ہو جائے -

مچّھر بھی یہ سب باتیں دیکھ رہا تھا اور سُن رہا تھا ، اور رات کو ڈاکٹر

صاحب کی میز پر رکھے ہوئے "پائینیر"[1] کو آ کر دیکھتا اور اپنی بُرائی کے حرُوف پر بیٹھ کر اُس پر خُون کی ننھّی ننھّی بُوندیں ڈال جاتا، جو انسان کے جسم سے یا خُود ڈاکٹر صاحب کے جسم سے وُہ چُوس کر لاتا تھا۔ گویا ان تحریروں پر لکھ جاتا کہ میاں! تُم میرا کُچھ بھی نہیں کر سکتے۔

انسان کہتا ہے کہ مچھّر بڑا کم ذات ہے۔ کوڑے کرکٹ، مَیل کُچیل سے پیدا ہوتا ہے اور گندی موریوں میں زندگی بسر کرتا ہے، اور بُزدلی تو دیکھو، اُس وقت حملہ کرتا ہے، جب ہم سو جاتے ہیں۔ سوتے پر وار کرنا، بےخبر کے چرکہ لگانا مردانگی نہیں، انتہا درجے کی کمینگی ہے۔ صُورت تو دیکھو! کالا بُھتنا، لمبے لمبے پاؤں، بےڈول چہرہ۔ اس شان و شوکت کا وُجود اور آدمی جیسے گورے چِٹّے، خُوش وضع، پیاری پیاری ادا کی دُشمنی! بےعقلی اور جہالت اسی کو کہتے ہیں۔

مچھّر کی سُنو، تو وُہ آدمی کو کھری کھری سُناتا ہے اور کہتا ہے کہ "جناب! ہمّت ہے، تو مُقابلہ کیجیے۔ ذات صفات نہ دیکھیے۔ مَیں کالا سہی، بدرونق سہی، نیچ ذات اور کمینہ سہی، مگر یہ کہیے کہ کس دلیری سے آپ کا مُقابلہ کرتا ہُوں" اور کیوں کر آپ کا ناک میں دم کرتا ہُوں۔ یہ الزام سراسر غلط ہے کہ مَیں بےخبری میں آتا ہُوں اور سوتے میں ستاتا ہُوں۔ یہ تو تم اپنی عادت کے مُوافق، سراسر ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت! مَیں تو کان میں آ کر "اُلٹی میٹم" دے دیتا ہُوں کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ اب حملہ ہوتا ہے! تُم ہی غافل رہو، تو میرا کیا قصُور۔! زمانہ خُود فیصلہ کر دے گا کہ میدانِ جنگ میں کالا بُھتنا، لمبے لمبے پاؤں والا، بےڈول، فتحیاب ہوتا ہے یا گورا چِٹّا، آن بان والا؟ میرے کارناموں کی شاید تم کو خبر نہیں کہ مَیں نے اس پردۂ دُنیا پر کیا کیا جوہر دکھائے ہیں۔ اپنے بھائی نمرُود کا قصّہ بُھول گئے، جو خُدائی کا دعوٰی کرتا تھا اور اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہ سمجھتا تھا۔ کس نے اُس کا غرُور توڑا؟ کون اُس پر غالب آیا؟ کس کے سبب اُس کی خُدائی خاک میں مِلی؟ اگر آپ نہ جانتے ہوں، تو اپنے

---

[1] ایک انگریزی اخبار کا نام

ہی کسی بھائی سے دریافت کیجیے یا مجھ سے سُنیے کہ میرے ہی ایک بھائی مچھّر نے اِس سرکش کا خاتمہ کیا تھا اور تم ناحق بگڑتے ہو اور خواہ مخواہ مجھے اپنا دُشمن تصوّر کیے لیتے ہو۔ مَیں تمھارا دُشمن نہیں ہُوں۔ اگر تم کو یقین نہ آئے، تو کسی شب صُوفی بھائی سے دریافت کر لو۔ وُہ میری شان میں کیا کہے گا!"

"کل ایک شاہ صاحب حالتِ ذوق میں اپنے ایک مُرید سے فرما رہے تھے کہ مچھّر کی زندگی کو دِل سے پسند کرتا ہُوں۔ دِن بھر بے چارہ خلوت خانے میں رہتا ہے۔ رات کو، جو خُدا کی عبادت کا وقت ہے، باہر نکلتا ہے اور پھر ساری شب تسبیح و تقدیس کے ترانے گایا کرتا ہے۔ آدمی غفلت میں پڑے سوتے ہیں، تو اِس کو اُن پر غُصّہ آتا ہے۔ چاہتا ہے کہ یہ بھی بیدار ہو کر اپنے مالک کے دِیے ہُوئے اِس خاموش سُہانے وقت کی قدر کریں، اور حمد و شُکر کے گیت گائیں، اِس لیے پہلے اُن کے کان میں جا کر کہتا ہے، 'اُٹھو، میاں! اُٹھو، جاگو، جاگنے کا وقت ہے۔ سونے کا' اور ہمیشہ سونے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ جب آئے گا، تو بے فکر ہو کر سو جانا۔ اب تو ہوشیار رہنے اور کُچھ کام کرنے کا موقع ہے، مگر اِنسان اِس سُریلی نصیحت کی پروا نہیں کرتا اور سوتا رہتا ہے، تو مجبُور ہو کر غیظ و غضب میں اُس کے چہرے اور ہاتھ پاؤں پر ڈنک مارتا ہے، لیکن اِنسان بے ہوشی میں بدن کو کُھجا کر پھر سو جاتا ہے اور جب دِن کو بیدار ہوتا ہے، تو بے چارے مچھّروں کو صلواتیں سُناتا ہے کہ رات بھر سونے نہیں دیا۔ کوئی اِس دروغ گو سے پُوچھے کہ جناب! کے سیکنڈ جاگے تھے، جو رات بھر جاگتے رہنے کا شکوہ ہو رہا ہے!

شاہ صاحب کی زُبان سے یہ عارفانہ کلام سُن کر میرے دِل کو تسلّی ہُوئی کہ غنیمت ہے، اِن آدمیوں میں بھی اِنصاف والے موجُود ہیں، بلکہ مَیں دِل ہی دِل میں شرمایا کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ شاہ صاحب مُصلّے پر بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے ہیں اور مَیں اُن کے پیروں کا خُون پیا کرتا ہُوں۔ یہ تو میری نسبت ایسی اچھّی اور نیک رائے دیں، اور مَیں

اِن کو تکلیف دُوں! اگرچہ دِل نے یہ سمجھایا کہ تُو کاٹتا تھوڑی ہے، قدم چُومتا ہے اور اِن بزرگوں کے قدم چُومنے ہی کے قابل ہوتے ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ اس سے میری ندامت دُور نہیں ہوتی۔ اب تک میرے دِل میں افسوس باقی ہے۔

سو اگر سب انسان ایسا طریقہ اختیار کر لیں، جیسا صُوفی صاحب نے کیا، تو یقین ہے کہ ہماری قوم انسان کو ستانے سے خود بخود باز آ جائے گی ورنہ یاد رہے کہ میرا نام بھی مچھر ہے۔ لُطف سے جینے نہ دُوں گا۔"

(خواجہ حسن نظامیؒ)

---

## مشق

۱۔ اِن سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ اس کہانی میں سے کون سی بات پر آپ زیادہ متاثر ہوئے ؟

ب ۔ اِس کہانی میں مچھر نے اپنی کون کون سی خُوبیاں بیان کی ہیں ؟

ج ۔ مچھر کی کون سی بات آپ کو سب سے زیادہ پسند آئی ؟

د ۔ اس کہانی کے مُصنف کا نام بتائیے۔

ہ ۔ اس کہانی کا بُنیادی خیال کیا ہے ؟

۲۔ جُملوں میں استعمال کیجیے :۔

| | |
|---|---|
| نیند حرام کرنا ۔ | مزا چکھانا ۔ |
| تہس نہس کرنا ۔ | چرکہ لگانا ۔ |
| کھری کھری سُنانا ۔ | ناک میں دم کرنا ۔ |
| جوہر دکھانا ۔ | خاک میں ملانا ۔ |
| ہاتھ پاؤں مارنا ۔ | |

۳۔ "خوش وضع" اور "ناحق" کی قسم کے اور الفاظ بنائیے، جو بالترتیب "خوش" اور "نا" سے شروع ہوں ۔ مثلاً "خوش دِل"، "ناواجب"۔

۴۔ تلفّظ واضح کیجیے :-

غلط - غرور - خلوت - مقابلہ -

۵۔ مُندرجۂ ذیل فہرست میں سے اِسمِ صِفت ، اِسمِ آلہ اور حاصِل مَصدر کے الفاظ اَلگ اَلگ لِکھیے :-

چاقُو - مَردانگی - اَدنیٰ - مَیل کُچیل - اَعلیٰ - رہن سہن - بُرائی - مِلن -

۶۔ ذیل کے جُملوں کو قوسین میں دِیے ہُوے حُرُوف میں سے مُناسِب حَرف لگا کر مُکمّل کیجیے :-

( کو - اور - چُونکہ - بھی )

ا - یہ راستہ میرے گھر ــــــــ جاتا ہے -

ب - آگ ــــــــ پانی ایک جگہ اِکٹھے نہیں رہ سکتے -

ج - ــــــــ وُہ غیرحاضِر ہے ، اِس لِیے اُس کا اِنعام اَمانت رہے گا -

د - اُسے خُود تو آنا ہی تھا ، بچّوں کو ــــــــ ساتھ لے آیا -

---

# ۲۲۔ اَب سوچ مرے دوست!

یہ آگ یہ پانی یہ ہوا ہے کہ نہیں ہے
یہ برق یہ باراں یہ گھٹا ہے کہ نہیں ہے
یہ پھول یہ کلیاں یہ صبا ہے کہ نہیں ہے
ہر رنگ میں وہ جلوہ نما ہے کہ نہیں ہے
اَب سوچ مرے دوست خُدا ہے کہ نہیں ہے!

یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں سفر میں
یہ بحر یہ امواج، یہ دھارے ہیں سفر میں
فطرت کے دل آویز نظارے ہیں سفر میں
ان کا بھی کوئی راہ نما ہے کہ نہیں ہے
اَب سوچ مرے دوست خُدا ہے کہ نہیں ہے!

یہ دانے کے سینے پہ شجر رکھ دیا کس نے؟
یہ سنگ کے پہلو میں شرر رکھ دیا کس نے؟
یہ قطرۂ نیساں میں گُہر رکھ دیا کس نے؟
یہ معجزۂ ربِّ عُلیٰ ہے کہ نہیں ہے!
اَب سوچ مرے دوست خُدا ہے کہ نہیں ہے!

پھیلے ہوئے ہر سمت کمالات ہیں کس کے؟
یہ لوح و قلم، ارض و سمٰوات ہیں کس کے؟
تا حدِّ نظر ثبت نشانات ہیں کس کے؟
احساس تجھے اس کا ذرا ہے کہ نہیں ہے
اَب سوچ مرے دوست خُدا ہے کہ نہیں ہے!

کس ذات کا لہروں کی زُباں پر ہے وظیفہ؟
کس ذات کی ہیبت کا، سمندر ہے صحیفہ؟
کس ذات نے انساں کو بنایا ہے خلیفہ؟
اے کور نظر! دیدۂ وا ہے کہ نہیں ہے
اَب سوچ مرے دوست خُدا ہے کہ نہیں ہے!

یہ وادیاں، یہ کوہ و بیاباں ہیں کس کے؟
کس کے ہیں یہ گلزار؟ یہ میدان ہیں کس کے؟
یہ بحر یہ بر تابعِ فرمان ہیں کس کے؟
نظروں میں تری ارض و سما ہے کہ نہیں ہے
اب سوچ مرے دوست خُدا ہے کہ نہیں ہے

(طفیل ہوشیارپوری)

---

# مَشق

۱ ـ اس نظم میں شاعر نے خُدا کی قدرت کے مُتعلّق بہت سی مثالیں دی ہیں ۔
آپ ان میں سے چار مثالوں کی تشریح کیجیے :۔
۲ ـ انسان کو خُدا کا خلیفہ کیوں کہا گیا ہے ؟
۳ ـ اس نظم کا مرکزی خیال تین چار سطروں میں لکھیے ۔
۴ ـ ان اَلفاظ کے معنی لکھیے :
اَمواج ـ شَرَر ـ قطرۂ نیساں ـ گہُر ـ لوح و قلم ـ سمٰوات ـ صحیفہ ـ
۵ ـ خُدا کی ذات سے مُتعلّق کوئی اَور اچھّی سی نظم اپنی کاپی میں لکھیے ۔
۶ ـ شِعروں میں قافیے کے بعد بعض دَفعہ ایک لفظ یا ایک سے زیادہ اَلفاظ ایسے ہوتے ہیں، جو بار بار جُوں کے تُوں استعمال ہوتے ہیں ۔ ایسے لفظ یا اَلفاظ کو "رَدِیف" کہتے ہیں ۔ مثلاً اس نظم کے پہلے بند میں ہوا ، صَبا ، گھٹا ، نُما اَور خُدا قافیے کے اَلفاظ ہیں اَور ہر مصرعے میں قافیے کے بعد "ہے کہ نہیں ہے" کے اَلفاظ دُہرائے گئے ہیں ۔ یہ "رَدِیف" ہے ۔ اس نظم کے ہر بند کو پڑھنے کے بعد قافیہ اَور رَدِیف الگ الگ لکھیے ۔
۷ ـ ا ـ "لاہور سے کراچی تک تیز رَفتار گاڑیاں چلتی ہیں" ۔
ب ـ "اس شہر میں پُختہ سڑکیں نہیں ہیں" ۔
ج ـ "مجھے آپ سے کُچھ کہنا ہے" ۔
مُندَرجۂ بالا جُملوں میں "سے" ، "تک" ، "میں" حُرُوفِ جار ہیں ۔ ایسے حُرُوف جب کسی اِسم سے مُتّصِل ہو جائیں ، تو ان سے بَننے والا مُرکّب "مُرکّبِ جاری" کہلاتا ہے ، یعنی حرفِ جار کی بَدَولت بنا ہُوا مُرکّب ۔ ایسے چار مُرکّب اپنی کاپی میں لکھیے ۔

---

# ۲۳ ۔ شہیدِ کربلا

دُنیا میں شہنشاہ بھی ہُوئے ہیں اور بادشاہ بھی، سپہ سالار بھی ہُوئے اور سپاہی بھی، مقتُول بھی ہُوئے اور مظلُوم بھی، غازی بھی ہُوئے اور شہید بھی۔ مگر کِسی کی مَوت کو وُہ سوگواری نصیب نہ ہُوئی، جو شہیدِؓ کربلا کے لِیے مُقدّر ہو چُکی تھی۔ آج اِس مظلُوم شہید کو خاک و خُون میں تڑپے قریبًا ساڑھے تیرہ سَو برس ہو چُکے ہیں، مگر ماتم گُساری اور سوگواری میں فرق نہیں آیا۔ اِس لِیے نہیں کہ وُہ محض نواسۂ رسُولؐ، جگر گوشۂ بتُولؓ اور حضرتِ علیؓ کے فرزندِ دِلبند تھے، بلکہ اِس لِیے بھی کہ اُنھوں نے حق کے لِیے گردن کٹائی، سچّائی کے لِیے جان قُربان کی، جابر حاکم کے سامنے سَر نہ جُھکایا، اِسلامی جُمہُوریت کا بول بالا کیا، تیغ و سناں سے خوف نہ کھایا۔ خاندان بھر کے قیمتی لعل و جواہر کربلا کی تپتی ہُوئی ریت میں کھو دِیے اور آخر میں خُود بھی اپنے لہُو سے ریت کے ذرّوں کے مُنہ دُھلا دِیے۔

یزید کی تختِ نشینی حضرتِ امام حُسین، رضی اللہ عنہ، کی شہادت کا پیش خیمہ بن گئی۔ یزید نے مسندِ خلافت پر پاؤں رکھتے ہی تمام صُوبوں کے عُمّال کو اپنی بیعت کے احکام صادر کر دِیے۔ حضرتِ امام حُسینؓ اُس وقت مدینے میں تھے۔ ولید مدینے کا عامِل تھا۔ اُس نے رات کے وقت جنابِ امامؓ کو بُلایا اور یزید کا حُکم سُنایا۔ آپ نے جواب دِیا:

"مُجھ جیسا شخص چوری چُھپے بیعت نہیں کر سکتا۔ آپ سب لوگوں کو جمع کریں۔ جو سب کی رائے ہوگی، اُس پر عمل کیا جائے گا۔"

یہ فرمایا اور اپنے گھر لَوٹ آئے۔ یزید کی بعض غیر اِسلامی حرکات سے آپ کو نفرت تھی۔ آپ اُس کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ اُس کی خِلافت میں اِسلام کی رُوحِ جمہُوریت کارفرما نہ تھی۔ اُس کی بیعت رُعب اور لالچ کے

بَل بُوتے پر تھی، اَور حضرتِ اِمام حُسینؓ رُعب اَور لالچ میں آنے والے اِنسان نہ تھے ۔ وُہ سَر تو کٹا سکتے تھے، لیکن یزید جَیسے آدمی کے سامنے گردَن نہ جُھکا سکتے تھے ۔ چُنانچہ آپ نے یہی کِیا اَور اَپنی جان دے کر اِسلامی اُصُولوں کی لاج رَکھ لی ۔

حالات کے پیشِ نَظَر آپ نے اَہل و عیال کو ساتھ لِیا، خاموشی کے ساتھ مدینے سے کُوچ کِیا اَور مکّے کی راہ لی ۔ وہاں پُہنچے، تو اہلِ کُوفہ کے خُطُوط کا تار بَندھ گیا ۔ سینکڑوں خُطُوط آئے ۔ ہر خط میں آپ سے عَقِیدت اَور محبّت کا اِظہار کِیا گیا تھا ۔ کُوفیوں نے ہر خط میں یہی لِکھّا تھا کہ آپ کے سوا کوئی نہیں، جو اِسلام کی ڈگمگاتی ہُوئی کَشتی کو سَنبھال سکے ۔ یزید خلیفہ نہیں بادشاہ ہے، ظالم و جابر ہے ۔ اُس کی خِلافت اِسلامی اُصُولوں کی رُسوائی ہے ۔ اِس وَقت آپ کی قیادت و رہنمائی کی سَخت ضُرُورت ہے ۔ آئیے اَور اِسلام کی سَربُلندی کے لِیے اِس غیر اِسلامی حُکُومت سے جِہاد کیجیے ۔ اہلِ کُوفہ ور سارا عِراق آپ پر اَپنی جانیں نِثار کرنے کے لِیے آمادہ و تیّار ہے ۔ اِس وَقت اَور کوئی اَیسا مَردِ حق نظر نہیں آتا، جو آپ سے بہتر اَور اَفضل ہو اَور اِس مُہم کو سَر کرنے کا بیڑا اُٹھا سکے ۔

یہ مُہم اگرچہ خطرات سے پُر تھی، لیکن وَقت کا تقاضا یہی تھا کہ اِس کا اہتمام کِیا جائے ۔ چُنانچہ آپ نے اَپنے چچازاد بھائی مُسلم بن عقیلؓ کو کُوفے بھیج دِیا کہ وہاں پہُنچ کر اَصل حالات سے مُطّلع کریں ۔ مُسلم بن عقیلؓ کُوفے پُہنچے، تو لوگوں نے اُنھیں ہاتھوں ہاتھ لِیا ۔ پہلے ہی دِن رہ ہزار اَفراد نے بَیعت کر لی ۔ یہ کامیابی اِس مُہم کے لِیے بڑی حوصلہ اَفزا تھی ۔ چُنانچہ اُنھوں نے حضرتِ اِمامؓ کو لِکھ بھیجا کہ :

"کُوفہ آپ کا مُنتظِر ہے ۔ جَلد از جَلد تشریف لائیے ۔"

حضرتِ اِمامؓ نے خط پڑھا، تو سَفر کی تیّاری کرنے لگے ۔ مکّے کے لوگوں کو آپ سے بڑی محبّت اَور عقیدت تھی ۔ وُہ آپ کو اَپنے سے جُدا نہیں کرنا چاہتے تھے، اِس لِیے بہُت سے اَحباب نے آپ کو اِس اِرادے سے روکنا چاہا، مگر آپ نے سَب کو یہی جَواب دِیا کہ مَیں اَب کُوفے جانے کا

ارادہ کر چکا ہُوں اور اپنے آنے کی اطلاع بھی بھجوا چکا ہُوں ۔ کُوفے کے لوگ میرے مُنتظِر ہیں ۔ مَیں نہ اپنے وَعدے سے پھر سکتا ہُوں نہ اُنھیں مایُوس کر سکتا ہُوں ، لِہٰذا آپ سَدِّ راہ نہ ہوں ۔ سَفَر کی تیاری مُکمّل ہو گئی ، تو آپ نے اپنے خاندان والوں کو ہمراہ لیا اور خُدا کا نام لے کر وہاں سے روانہ ہُوئے

گرمی کا موسم ، عرَب کا ریگستان ، کوسوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں ، نہ کوئی سڑک نہ راستہ ، بس توَکُّل بخُدا ، قافلۂ امامؑ چلا جا رہا تھا ۔ چلتا گیا ۔ چلتا گیا ۔ ریت پاؤں میں بچھتی گئی ۔ لُو کے بھبھُوکے نثارِ قدم ہوتے گئے ۔ عرَب کا مشہُور شاعِر فَرزدق کُوفے سے آتا ہُوا راستے میں مِلا ۔ آپ نے اُس سے پُوچھا : ”کُوفے کے حالات کیسے ہیں“ ؟ اُس نے عرض کِیا ـــــ ”کُوفے والوں کے دِل تو آپ کے ساتھ ہیں ، مگر اُن کی تلواریں آپ کی حمایت میں نہ اُٹھیں گی“ ۔

آپ نے فرمایا : ”جو ہو ، سو ہو ۔ مَیں اسلام کی خِدمت کے لِیے وَقف ہُوں ۔ اِس راہ میں جان کی قُربانی کوئی بڑا فِدیہ نہیں ہے ۔ حالات مجھے مجبُور نہیں کر سکتے ، مَیں حالات کا رُخ بدَل کر رہُوں گا یا اپنی جان اسلام پر قربان کر کے سُرخرُو ہوں گا“ ۔

شاعِر اپنے راستے پر ہو لِیا اور آپ نے قدَم آگے بڑھائے ـــــ مقامِ ثَعلَبیّہ میں پہُنچے ، تو مُسلم بن عَقیلؓ کی شہادت کی خبر مِلی ۔ اِس سے قافلے پر افسُردگی چھا گئی اور سب کے دِل غَم میں ڈُوب گئے ۔

یزید تختِ حکُومت پر بیٹھ چکا تھا ۔ اکثر و بیشتر لوگ اُس کی بیعت کر چکے تھے ۔ اگر وُہ حضرتِ حُسینؓ سے بیعت کے لِیے اِصرار نہ کرتا ، تو بظاہر ایسی کوئی بات نہ تھی ، لیکن وُہ جانتا تھا کہ جنابِ حُسینؓ کوئی معمُولی ہستی نہیں اُن کا اطاعت نہ کرنا حکُومت کی بُنیادیں ہِلانے کا مُوجب بن سکتا ہے اُن کے مُطیع ہونے سے عرَب و عجَم اطاعت گزار ہو سکتے ہیں ، اِس لِیے اُس نے ابنِ زیاد جیسے ظالِم و جابر کو کُوفے کی حکُومت سونپ دی تھی تاکہ وُہ جنابِ حُسینؓ کو کُوفے تک نہ پہُنچنے دے اور اُن کی نگرانی کرتا رہے ۔

حضرتِ حُسینؓ مقامِ اَشراف میں پُہنچے، تو حُر تمیمی ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ آ موجود ہُوا اور آپ کو اپنی نِگرانی میں قادسیّہ تک لے آیا۔ یہاں عمرو بن سعد ایک بڑی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ حضرتِ حُسینؓ نے وہاں اُترنے کے بجائے کربلا کے میدان میں اُترنا زِیادہ مُناسِب خیال فرمایا۔ دریائے فرات کا وِیران کنارا آپ کی آمد سے آباد ہو گیا۔ یہ ایک وحشت ناک صحرا تھا، جس میں نہ کوئی درخت تھا نہ جھاڑی، گھاس تھی نہ پانی اور نہ زِندگی کی کوئی اور نشانی وہاں دِکھائی دیتی تھی۔ اِمامؓ عالی مقام کی آمد سے اِس صحرا میں جان سی پڑ گئی۔ خیمے نصب ہو گئے۔ ریت پر جانمازیں بچھ گئیں —— قرآنِ پاک کی تِلاوت ہونے لگی اور ذِکر و اَذکار کی کثرت سے وہاں فرشتوں کی محفِل کا گُمان ہونے لگا۔

عمرو بن سعد بھی اپنی فوج کے ساتھ اِسی میدان میں آ گیا۔ رات کی تاریکی میں حضرتِ اِمامؓ سے مِلا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ آخر اُس نے کہا کہ اِبنِ زِیاد کا اِرادہ نیک نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ ہتھیار ڈال دیں اور اپنی اور اپنے رُفقا کی جانیں بچا لیں، کیونکہ آپ اِس وقت ہمارے نرغے میں ہیں۔ آپ کے ساتھ گِنتی کے چند اَفراد ہیں۔ آپ نہ لڑائی جیت سکیں گے نہ کِسی طرف نِکل کر جا سکیں گے۔ یزید کی بیعت کر لیں اور پھر مرنے سے جہاں چاہیں، زِندگی گُزاریں۔

حضرتِ حُسینؓ نے فرمایا، میری تین شرطوں میں سے آپ جِسے چاہیں، منظور کر لیں :—

۱۔ مُجھے واپس مکّے جانے دیں تاکہ باقی عمر یادِ خُدا میں بسر کروں۔
۲۔ مُجھے سرحد کی طرف نِکل جانے دیں تاکہ کُفّار سے جِہاد کرتا ہُوا شہید ہو جاؤں۔
۳۔ مجھے یزید کے پاس دِمشق جانے دیں کہ براہِ راست اُس سے مُعاملہ طے کر لوں۔

عمرو بن سعد نے یہ شرائط اِبنِ زِیاد کو لِکھ بھیجیں۔ وہ خُوش ہُوا، مگر شِمر جل گیا اور کہنے لگا، یا اَمیر! اگر حُسینؓ کی رسائی یزید تک ہو گئی، تو اُن کے مقابلے میں آپ کی کوئی عزّت اور وُقعت نہ رہے گی، اِس لیے آپ اِن شرائط میں سے

کوئی بھی قبول نہ کریں ۔ ابنِ زیاد نے کچھ سوچ کر ابنِ سعد کو لکھا "حسین پہلے میرے ہاتھ پر یزید کی بیعت کریں ۔ پھر میں اپنے اہتمام سے اُنھیں دمشق روانہ کر دُوں گا۔"

اِس کے بعد دُوسرا خط شمر کو دے کر بھیجا ، جس میں تحریر تھا کہ :
"اگر تم نے حسینؓ کو گرفتار یا قتل کرنے میں دیر کی ، تو شمر تمھاری جگہ لشکر کا سالار ہوگا۔"

شمر نے خط لیا اور سیدھا کربلا پہنچا ۔ آتے ہی دریا پر قبضہ کر لیا ۔ دریا کے کنارے کنارے اپنی فوجیں پھیلا دیں تاکہ اہلِ بیت کو پانی کا ایک قطرہ نہ مل سکے اور وہ اس ریگستان میں تڑپ تڑپ کر پیاسے جان دے دیں ۔ یہ وُہی دریائے فرات تھا ، جس کا پانی حیوانوں تک کے لیے کھُلا تھا ، مگر اہلِ بیت کے لیے پابندی تھی ۔ ننّھے ننّھے بچّے خشک لبوں کے ساتھ حسرت بھری نگاہوں سے دریا کو دیکھتے ، مگر لب تر نہ کر سکتے تھے ۔

عمرو بن سعد جانتا تھا کہ حضرتِ حسینؓ کسی صورت میں بھی اپنے آپ کو ابنِ زیاد کے حوالے کرنے پر تیّار نہ ہوں گے ، مگر حُکمِ حاکم سے مجبور تھا ، اس لیے اُس نے اپنی فوج کو تیّاری کا حُکم دے دیا اور اُسی رات چند آدمیوں کے ہمراہ حضرتِ حسینؓ سے مِلنے کے لیے آیا ۔ جناب عبّاس پاسبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے ۔ اُنھوں نے ٹوکا اور آنے کا مقصد پُوچھا ، تو عمرو بن سعد نے کہا ــــ "حضرتِ حسینؓ سے کہ دو کہ ہتھیار ڈال دیں اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں ۔ بصُورتِ دیگر لڑائی کا روکنا یا مُلتوی کرنا میرے بس سے باہر ہے"۔ جناب عبّاس خیمے میں آئے اور ابنِ سعد کا پیغام دیا ۔ آپ نے فرمایا ــــ "ابنِ سعد سے کہو ، آج کی رات لڑائی ٹال دے اور مجھے اپنے اللہ کی عبادت کی مُہلت دے دے"۔ جناب عبّاس نے ابنِ سعد کو حضرتِ حسینؓ کا جواب سُنایا ۔ اُس نے منظور کیا اور واپس چلا گیا ۔ یہ ۹ محرّم کی رات تھی ۔

ابنِ سعد کے جانے کے بعد آپؓ نے اپنے رُفقا کو بُلایا اور فرمایا :
"یہ لوگ صرف میری جان کے درپے ہیں ۔ تم سب رات کی تاریکی میں

یہاں سے نکل جاؤ۔ دشمن تمھارا پیچھا نہیں کرے گا۔"
مگر اُن میں سے کوئی بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے پر رضامند نہ ہُوا۔ آپؓ کی بہن حضرتِ زینبؓ بھائی کی بےبسی پر رونے لگیں، تو آپؓ نے اُنھیں صبر و رضا کی تلقین فرمائی اور اُن کے چُپ ہونے پر اللہ کی عبادت میں محو ہو گئے۔
رات گزر گئی۔ محرّم کی دسویں تاریخ کا آفتاب طلوع ہوا۔ ابنِ سعد نے اپنی فوج کو مرتب کیا۔ اِدھر حسینی صفیں جم گئیں۔ بہتّر سپاہیوں کا ہزاروں سے مقابلہ! زمین حیران تھی، آسمان ششدر تھا۔ حُر تمیمیؒ کا دِل امامؓ کی بےکسی پر کڑھا۔ وہ یزید کی فوج سے نکلا، حضرتِ حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہُوا، پشیمانی و ندامت کے آنسو بہائے، عفو کا طالب ہُوا اور حسینی فوج کے پہلے شہید کا لقب پایا۔ جنگ میں گرمی پیدا ہوتی جاتی تھی۔ حسینی فوج کے گنتی کے چند آدمی، مقابلے پر ہزاروں دشمن، مگر فوجِ امامؓ کا ایک ایک فرد بہادری سے معرکہ آرا ہُوا۔ اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور جنابِ حسینؓ پر نثار ہو کر سُرخرو ہُوا۔
حضرتِ حسین لاش پر لاش اُٹھاتے رہے۔ جوان بیٹے علی اکبرؒ کی لاش، بھتیجے قاسم کی لاش اور بھائی عبّاس کی لاش! پھر جو خیمے کے اندر گئے، تو ننّھے علی اصغر کو پیاس سے جاں بلب پایا۔ آپؓ نے اُسے ہاتھوں پر اُٹھایا، دشمنوں کے سامنے آئے اور کہا:
"اِس معصوم کے لیے پانی کے چند قطرے!"
جواباً ایک تیر سنسناتا ہُوا آیا اور پیارے معصوم کے حلق میں ترازو ہو گیا۔ آپؓ نے تیر کھینچا، لہو کا فوّارہ سا اُچھلا۔ آپؓ نے خون چلّو میں بھرا، بےجان جگر گوشے کے جسم پر ملا اور اُسے بھی شہیدوں کے ساتھ لٹا دیا۔ اِس کے بعد تلوار سونت لی اور دشمن پر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ تیر، تلوار، نیزے کے بےشمار زخم کھائے۔ گھوڑا مارا گیا، تو آپؓ پیدل لڑنے لگے۔ شمر نے چھے جوان آپؓ کے آگے پیچھے لگا دیے تھے، جو بچ بچ کر وار کیے جاتے تھے۔ ایک نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ آپؓ کا بایاں بازو کٹ کر الگ ہو گیا۔ دایاں ہاتھ

پہلے ہی زخموں سے بے کار ہو چکا تھا ۔ آخر ایک ظالم نے پُشت پر نیزہ مارا جو سینے سے پار ہو گیا اور آپؓ گر پڑے ۔ شمر نے آگے بڑھ کر آپؓ کا سر تن سے جدا کر لیا ——— اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ !

حضرتِ امامِ حُسینؓ نے جان دے دی ، مگر باطل کو حق کہنے کے لیے تیار نہ ہوئے ۔

---

## مشق

۱۔ مندرجۂ ذیل کے جواب دیجیے :۔

ا ۔ دُنیا بھر میں کِس ہستی کا ماتم سب سے زیادہ کیا گیا ہے ؟

ب ۔ یزید کو حضرتِ امامؓ سے بیعت لینے پر اصرار کیوں تھا ؟

ج ۔ حضرتؓ نے مدینہ کیوں چھوڑا اور کوفے جانے کا عزم کیوں فرمایا ؟

۲۔ حضرتِ امامِ حُسینؓ کی شہادت کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے ۔

۳۔ مندرجۂ ذیل کے معنی بتائیے :۔

شہنشاہ ۔ ماتم گُساری ۔ جمہوریت ۔ تیغ و سنان ۔ پیش خیمہ ۔ مسندِ خلافت بیعت ۔ باطل ۔ سنسناتا ہوا ۔

۴۔ اِن الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔

معصوم ۔ جاں بلب ۔ لاج رکھنا ۔ عقیدت ۔ تقاضا ۔ افسردگی ۔ اطاعت

۵۔ شاعر ، شہید ، ظلم ، امام ، ذکر ، شرط ، حاکم اور فوج کے جمع لکھیے ۔

۶۔ بندوق ، نیزہ ، تلوار ، خنجر وغیرہ ایسے الفاظ ہیں ، جو کسی آلے یا ہتھیار کے معنی دیتے ہیں ۔ قواعد میں ایسے الفاظ کو "اسمِ آلہ" کہتے ہیں ۔ "اسمِ آلہ" کی پانچ ایسی مثالیں دیجیے ، جو اس سبق میں نہ ہوں ۔

۷۔ اس سبق میں سے "مرکبِ جاری" کی پانچ مثالیں تلاش کیجیے ۔

---

# ۲۴ - ٹیکس ہمارے مفاد میں

رضوان کے ابا ڈاکٹر عمران یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں - اڑھائی ہزار روپے ماہوار تنخواہ پاتے ہیں، لیکن اصل رقم، جو کٹ کٹا کر ان کے گھر پہنچتی ہے، وہ پندرہ سو روپے سے زیادہ نہیں ہوتی - تنخواہ میں سے چار سو روپے تو ان کے پراویڈنٹ فنڈ کے حساب میں جمع ہو جاتے ہیں اور تین سو روپے مکان کے قرضے کی قسط نکل جاتی ہے، ایک سو روپے ماہوار بیمے کے وضع ہو جاتے ہیں اور ڈیڑھ سو روپے ماہوار انکم ٹیکس کے کٹ جاتے ہیں - چالیس پچاس روپے کی چھوٹی موٹی کٹوتیاں ان کے علاوہ ہیں -

رضوان کی امّی کو تنخواہ میں سے اتنی بہت سی کٹوتیاں سخت ناگوار گزرتی ہیں - پراویڈنٹ فنڈ اور بیمے کی کٹوتی کو تو خیر برداشت کر لیتی ہیں کہ یہ رقم بہرحال ان کے اپنے ہی حساب میں جمع ہوتی ہے اور ایک نہ ایک دن انھیں یک مشت مل جائے گی، لیکن انکم ٹیکس کی کٹوتی انھیں ہرگز گوارا نہیں - یوں تو ہر ماہ ہی رضوان کی امّی اخراجات کی زیادتی اور اشیا کی گرانی کی شکایت کرتی رہتی تھیں، لیکن جون کے مہینے میں غضب یہ ہوا کہ تنخواہ کا چیک پندرہ سو کے بجائے صرف پانچ سو روپے کا ملا - بیگم نے یہ رقم دیکھی، تو بہت پریشان ہوئیں - کہنے لگیں، "ہے ہے! اس تنخواہ کو کس موئے کی نظرِ بد کھا گئی! یہ کہنے کو تو پچیس سو اور ملنے کو صرف پانچ سو!"

پروفیسر صاحب نے جب انھیں یوں خفا ہوتے دیکھا، تو کہنے لگے، "بیگم! آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں - کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جون مالی سال کا آخری مہینا ہے - اس مہینے میں تنخواہ دار ملازمین کی سال بھر کی آمدنی کا حساب ہوتا ہے اور کل آمدنی پر انکم ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے - اس

مرتبہ میری سالانہ آمدنی پر تقریباً اڑھائی ہزار روپے انکم ٹیکس کے بنے ۔ پندرہ سولہ سو روپے اس مد میں پہلے وضع ہو چکے تھے، لہٰذا ایک ہزار روپے مزید اس تنخواہ میں سے کٹوانے پڑے"۔

رضوان کی امّی نے کہا، "خیر، یہ سب ٹھیک ہے، لیکن اب یہ بتائیے کہ مہینے بھر کا خرچ کیونکر چلے گا؟ کل سے گاڑی گیراج میں بند کیجیے، ڈرائیور کو چھٹی دیجیے، اب گوشت کے بجائے دال پکا کرے گی"۔

پروفیسر صاحب بولے، "خیر، دال میں کیا مضائقہ ہے ۔ یہ بھی تو اللہ کی نعمت ہے"۔

رضوان، اس کی بہن نادرہ اور ان کے چھوٹے بھائی بہن اپنے ابّا اور امّی کی یہ نوک جھونک سن رہے تھے ۔ رضوان خاموش نہ رہ سکا اور بولا — "ابّا جان! آخر آپ کی تنخواہ میں سے اتنا ڈھیر سارا انکم ٹیکس کیوں کٹ جاتا ہے؟" ابّا نے جواب دیا "بیٹے! جس طرح ہمیں گھر کے اخراجات کے لیے آمدنی کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ہماری حکومت کو بھی ملک کا نظم و نسق چلانے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ کیا تم نے کبھی حکومت کے مصارف پر غور کیا ہے؟ تم اور تمھاری طرح کے ہزاروں نہیں، لاکھوں بچے مفت تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ اس تعلیم پر حکومت کا کروڑوں روپے کا خرچ ہے ۔ کیا یہ سرمائے کے بغیر ممکن ہے؟ —— حکومت نے ملک کا نظم و نسق چلانے کے لیے بیسیوں محکمے کھول رکھے ہیں اور ان میں لاکھوں افراد کام کرتے ہیں ۔ یہ سب حکومت ہی کے خزانے سے تنخواہ پاتے ہیں —— فوج پر حکومت کو کروڑوں روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں ۔ ہماری حکومت عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اربوں روپے خرچ کرتی ہے ۔ ملک میں شاہراہیں اور سڑکیں تعمیر ہو رہی ہیں ۔ ہسپتال قائم کیے جا رہے ہیں ۔ اگر حکومت کو آمدنی نہیں ہوگی، تو یہ تمام مصارف کہاں سے پورے ہوں گے؟ —— ہمارے بچے تعلیم کیونکر پائیں گے؟ مریضوں کا علاج کیسے ہوگا؟ زمینیں کیسے سیراب ہوں گی؟ وطن کی سرحدوں کی حفاظت کیونکر ہوگی؟ اور ہمارے دیہات کے اندھیروں میں اجالا

کیسے ہو گا ؟"

پروفیسر عمران پھر اپنی بیگم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے ــــــ "اب آپ ہی بتائیں کہ ہمارے ملک میں کیا سونے کی کانیں موجود ہیں کہ یہ سب اخراجات وہاں سے پورے ہوتے رہیں !"

اس پر نادرہ بولی ، "لیکن ، ابا جان ! ہمارے ہاں سونا اگلنے والی زمینیں جو موجود ہیں ۔ یہ کپاس کی شاداب فصلیں اور دھان کے لہلہاتے کھیت سونا ہی تو ہیں ۔"

نادرہ کے ابا نے جواب دیا ، "بیٹی ! جو کچھ تم نے کہا ، وہ بالکل درست ہے ، لیکن ہماری زمین سے اتنی آمدنی تو نہیں ہوتی کہ اس سے ملک کے تمام مصارف پورے ہو سکیں ۔ چنانچہ حکومت کو اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے مختلف قسم کے ٹیکس لگانے پڑتے ہیں ۔ ٹیکس لگانے اور آمدنی بڑھانے کا واحد مقصد یہ ہے کہ عوام کو زندگی کی بہتر اور وافر سہولتیں مہیا کی جائیں ، اور ملک میں آسودگی و خوشحالی کا دور دورہ ہو ۔ حکومت کی آمدنی جس قدر زیادہ ہوگی ، وہ رفاہِ عام کے کاموں میں اسی قدر زیادہ سرمایہ لگا سکے گی اور اس کے نتیجے میں ہمارا وطنِ عزیز اتنا ہی زیادہ خوشحال اور مضبوط ہو گا ۔"

نادرہ نے کہا ، "پھر تو یہ ٹیکس ہمارے ہی مفاد میں ہیں اور ان کی ادائیگی میں ہماری اپنی بھلائی اور ترقی کا راز پوشیدہ ہے ۔"

رضوان نے پوچھا ، "ابا جان ! لوگوں کی آمدنی پر ٹیکس کس شرح سے لگایا جاتا ہے ؟"

اس کے ابا نے جواب دیا : "ٹیکس سب لوگوں پر نہیں لگتا ۔ صرف انھی کو دینا پڑتا ہے ، جن کی آمدنی ایک خاص حد سے تجاوز کر جاتی ہے ۔"

رضوان : یہ خاص حد کیا ہے ؟

ابا جان : کسی زمانے میں یہ حد تین ہزار روپے سالانہ ہوتی تھی ۔ اب بڑھتے بڑھتے چوبیس ہزار روپے سالانہ ہو گئی ہے ۔ چنانچہ ایسے سب لوگ ، جن کی آمدنی دو ہزار روپے ماہوار سے کم ہے ، ٹیکس

سے مُستثنیٰ ہیں۔

رضوان : کیا باقی سب لوگوں سے ایک ہی شرح سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے؟

ابّا جان : نہیں تو، یہ شرح آمدنی کے لحاظ سے مختلف ہے۔ جوں جوں سالانہ آمدنی بڑھتی جاتی ہے، ٹیکس کی شرح میں اُسی نسبت سے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اس پر نادرہ چونک کر بولی —— "جب سب لوگوں کو ملک میں یکساں سہولتیں میسّر ہیں، تو پھر ٹیکس کی شرح میں فرق کیوں؟"

ابّا جان : ٹیکس کی شرح میں کمی و بیشی میں یہ حکمت ہے کہ ملک سے امارت اور افلاس کے فرق کو ختم کیا جائے۔ دولت مند لوگوں سے ٹیکس وصول کر کے غریب عوام کو بلا ٹیکس سہولتیں مہیّا کی جائیں تاکہ دولت چند ہاتھوں میں یا چند خاندانوں میں جمع ہو کر نہ رہ جائے۔

رضوان : ابّا جان! کیا حکومت لوگوں پر ٹیکس عاید کرتے وقت انہیں کوئی رعایت نہیں دیتی؟

ابّا جان : کیوں نہیں؟ حکومت ایک چھوڑ کئی رعایتیں دیتی ہے، مثلاً آمدنی کا کچھ حصّہ ذاتی مصارف کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ادا کی ہوئی زکوٰۃ کی رقم پر ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ جو لوگ بچت کر کے اپنی رقم کو ملکی ترقی کے منصوبوں میں لگاتے ہیں، حکومت اُن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ایسی بچت ایک خاص حد تک ٹیکس سے مُستثنیٰ ہوتی ہے۔

نادرہ کی امّی نے، جو اب تک خاموش بیٹھی تھیں اور یہ سب باتیں سُن رہی تھیں، پروفیسر صاحب سے پوچھا "کیا انکم ٹیکس سے حکومت کو اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ اُس سے ملک کے تمام مصارف پورے ہو سکیں؟"

پروفیسر عمران : ہرگز نہیں! انکم ٹیکس سے اگرچہ معقول آمدنی ہوتی ہے، لیکن یہ حکومت کی کُل آمدنی کے مقابلے میں بہت کم ہے"۔

رضوان : ابّا جان ! اس مُلک میں تو بڑے بڑے دولت مند تاجر، کارخانہ دار اور سرمایہ دار لوگ موجود ہیں ۔ پھر انکم ٹیکس والی آمدنی اس قدر کم کیوں رہتی ہے ؟

رضوان کے ابّا اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے بات ٹالنے کی کوشش کی، لیکن جب رضوان کا تجسّس حد سے بڑھا، تو انھیں بتانا ہی پڑا کہ ہمارے مُلک کے بہت سے لوگ اپنی صحیح آمدنی ظاہر نہیں کرتے، بلکہ اسے بہت کم کر کے دکھاتے ہیں تاکہ انھیں انکم ٹیکس کم ادا کرنا پڑے ۔

رضوان نے کہا "یہ تو خیانت ہے ۔ جب ہم حکومت سے یہ توقّع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے جان و مال کی حفاظت کرے اور ہمیں تعلیم، صحت، رہائش اور سفر کی بہتر سہولتیں مہیا کرے، تو کیا یہ ہمارا فرض نہیں ہے کہ ٹیکسوں میں چوری کرنے کے بجائے انھیں ایمان داری سے ادا کریں"۔

رضوان کی امّی نے جب اپنے بیٹے کی زبانی یہ باتیں سنیں، تو دل ہی دل میں بہت نادم ہوئیں کہ وہ ناحق ٹیکس کی ادائیگی پر کڑھتی رہیں ۔ انھوں نے سوچا، ٹیکس ادا نہ کرنے والے لوگ تو بہت بڑے مجرم ہیں ۔

نادرہ نے پوچھا "اگر حکومت کو انکم ٹیکس سے کُل آمدنی کا صرف تھوڑا سا حصّہ وصول ہوتا ہے، تو باقی رقم کہاں سے آتی ہے ؟"

اُس کے ابّا نے جواب دیا "بیٹی ! حکومت نے اپنے مصارف پورے کرنے کے لیے انکم ٹیکس کے علاوہ بھی کئی ٹیکس لگا رکھے ہیں، مثلاً کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس وغیرہ"۔

پھر اُن کی وضاحت کرتے ہوئے بولے "کسٹم ڈیوٹی سے مراد وہ ٹیکس ہے، جو ہماری درآمدات اور برآمدات پر عاید ہوتا ہے ۔ اِس وقت سرکاری خزانے کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ٹیکس ہے ۔ ہم جو اشیا دیگر ممالک سے درآمد کرتے ہیں، اُن میں سے اکثر پر ٹیکس وصول کیا جاتا ہے البتّہ بعض اشیا اِس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتی ہیں ۔ درآمدی اشیا پر محصول کی

شرح مختلف چیزوں پر مختلف ہے ۔ وہ اشیا، جن کا تعلق آرائش و زیبائش اور عیش و عشرت سے ہے، اُن پر محصول کی شرح دوسری اشیا کے مقابلے میں زیادہ ہے ۔ اسی طرح برآمدی اشیا پر محصول کی شرح بھی اشیا کی نوعیت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی ہے، جو مصنوعات ملک کے اندر تیار کی جاتی ہیں، مثلاً کپڑا، گھی، چینی اور مشروبات وغیرہ، اُن پر بھی ٹیکس لگایا جاتا ہے ۔ اور یہ ٹیکس کارخانہ داروں سے وصول کیا جاتا ہے ۔ اس آمدنی سے حکومت کو باہر سے مشینری منگوانے اور مزید کارخانے لگانے میں مدد ملتی ہے۔"

جن ممالک کے لوگ ایمان داری سے ٹیکس ادا کرتے ہیں، وہ ملک زیادہ خوشحال اور امیر ہیں ۔ یوں تو ٹیکسوں کی ادائیگی ہمارا قومی اور اخلاقی فرض ہے اور ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کا ٹیکس پوری ایمان داری سے ادا کرے، لیکن ہم قانون کی رُو سے بھی اس بات کے پابند ہیں کہ تمام ٹیکس قواعد و ضوابط کے مطابق ادا کریں ۔

ٹیکسوں میں چوری کرنے والے لوگ نہ صرف اخلاقی مجرم ہیں، بلکہ قانون شکنی کے مرتکب بھی ۔ اور یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ قانون توڑنے والا شخص سزا سے بچ نہیں سکتا ۔

---

## مشق

ا۔ ان سوالوں کا جواب دیجیے :۔

ا ۔ انکم ٹیکس سے کیا مراد ہے ؟

ب ۔ ٹیکس کیوں لگائے جاتے ہیں ؟

ج ۔ اگر حکومت تمام ٹیکس معاف کر دے، تو اس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے ؟

۲۔ "ٹیکس لگانے کی ضرورت اور اہمیت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھیے ۔

۳۔ ان کے واحد بتائیے :۔

مصنوعات ۔ مشروبات ۔ درآمدات ۔ اشیا ۔ مصارف ۔ افراد ۔ مفادات ۔ قواعد

ضوابط ۔

۴۔ اِن کے جمع لکھیے :۔

رِعایت ۔ ضُرُورت ۔ محصُول ۔ نوعیت ۔ فرض ۔ قانُون ۔ حکمت ۔

۵۔ ذیل کے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔

انفرادی ۔ اقتصادی ۔ ذاتی ۔ مُستثنیٰ ۔ آسُودگی ۔

۶۔ عربی کے بعض حرُوف ایسے ہیں کہ اُن سے پہلے اگر "اَل" لگا دِیا جائے، تو "لام" پڑھنے میں نہیں آتا، جیسے "رَحمٰن" سے "اَلرَّحمٰن" بنایا جائے، تو اِسے "اَرْ رَحمٰن" (اَرَّحمٰن) پڑھیں گے، "اَل رَحمٰن" (اَلرَحمٰن) نہیں پڑھیں گے۔ ایسے حرُوف کو، عربی میں "حرُوفِ شمسی" کہتے ہیں۔ لفظِ "شمس" سے پہلے بھی "اَل" لگائیں، تو اِسے "اَش شَمس" (اَشَّمس) پڑھیں گے۔ "رحمٰن" اور "شمس" دونوں لفظوں کے شرُوع میں آنے والے دونوں حرف "ر" اور "ش" شمسی کہلاتے ہیں۔ "حرُوفِ شمسی" تعداد میں چودہ ہیں، جو یہ ہیں :۔

ت ۔ ث ۔ د ۔ ذ ۔ ر ۔ ز ۔ س ۔ ش ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ ل اور ن ۔

جن مُرکّبات میں "شمسی حرُوف" آئیں، اُنھیں احتیاط سے پڑھنا چاہیے، مثلاً : عبدُالرَّحیم، علمُ الدّین وغیرہ ۔

---

# ۲۵ - بہار

بہار آئی نکھرے نہالِ چمن — بدلنے لگے نخلِ رخت کہن
عنادل کا ہر سمت جوش و خروش — نسیمِ چمن مست و نزہت فروش
کہیں بلبلِ زار کے چہچہے — کہیں شاہدِ گل کے وہ قہقہے
درختوں نے پہنا وہ دھانی لباس — لبِ نہر سبزہ، زمرّد اساس
نئی پتیاں وہ چمکنے لگیں — وہ کھل کھل کے کلیاں مہکنے لگیں
وہ شاخوں پہ کونپل نکلنے لگی — درختوں کی صورت بدلنے لگی
بنفشہ کہیں، سنبلِ تر کہیں — کہیں سوسن و گل بہار آفریں
کھلے پھول بیلے کے وہ لاجواب — وہ پھولے ہزاروں طرح کے گلاب
وہ پھولی چنبیلی، کھلا موگرا — کھلی چاندنی باغ میں جا بجا
یہ فطرت کا ہے قدرتی انتظام — کھلے پھول لاکھوں طرح کے تمام
وہ پھولوں پہ اڑتی ہوئی تتلیاں — دکھاتی ہیں قدرت کی صناعیاں
وہ صحرا کی دیکھے کوئی اب بہار — کہ پھولوں سے ہر شاخ ہے شعلہ زار
وہ پھولا ہوا ڈھاک بھی ہر طرف — لگائے ہے اک آگ سی ہر طرف
عجب مست خوشبو ہے پھولوں کی واہ — ہوئی جاتی ہے دل کی حالت تباہ
ہوا میں ہے نشو و نما کا اثر — ہیں مستی پہ وحش و طیور و بشر
دکھاتا ہے پھولوں کا جوبن ابھار — امنگوں پہ ہے جوشِ رنگِ بہار

میں اس شانِ قدرت پہ ہر دم نثار
دکھائی ہمیں جس نے کیا کیا بہار

(بے نظیر شاہ)

# مشق

۱ ۔ نہالِ چمن ، نخل ، عنادِل ، نُزہت ، شاہدِ گل ، بہار آفریں ، شعلہ زار کے معنی بتائیے۔

۲ ۔ نظم کو پڑھیے اور بہار پر ایک مضمون لکھیے ۔

۳ ۔ اشعارِ ذیل کی نثر بنائیے :۔

اُمنگوں پہ ہے جوشِ رنگِ بہار — دِکھاتا ہے پھولوں کا جوبن اُبھار

کھِلے پھول لاکھوں طرح کے تمام — یہ فطرت کا ہے قُدرَتی انتظام

۴ ۔ اس نظم میں جن پھولوں کے نام آئے ہیں ، اُن کی فہرست بنائیے اور حرُوفِ تہجّی کی ترتیب سے لکھیے ۔

۵ ۔ فطرت ، رَخت کہن ، جوش و خروش ، نثار ، طیُور کو جملوں میں استعمال کیجیے ۔

۶ ۔ بنفشہ ، نہر ، قُدرت ۔ بشر اور بہار سے صفتِ نسبتی بنائیے ۔

۷ ۔ فعل معرُوف کو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ فعل مجہُول بنا لیا جاتا ہے ۔ مثلاً :۔

| معرُوف | مجہُول |
|---|---|
| ا ۔ اُنھوں نے مردوں کو پکڑا ۔ | مرد پکڑے گئے ۔ |
| ب ۔ وہ اُنھیں گولی مار دیں گے ۔ | انھیں گولی مار دی جائے گی ۔ |
| ج ۔ حامد نے خرگوش خریدا ۔ | خرگوش خریدا گیا ۔ |
| د ۔ ناصر نے خط لکھا ۔ | خط لکھا گیا ۔ |

اب بتائیے کہ فعل مجہُول بنانے کا کیا طریقہ ہے ؟

۸ ۔ الفاظِ ذیل کے متضاد لکھیے :۔

بہار ۔ کہن ۔ نئی ۔ تر ۔ اُونچا ۔ بھلا ۔

۹ ۔ اسمِ ظرف کی کتنی قسمیں ہیں ؟ دو دو مثالیں دے کر وضاحت کیجیے ۔

# ۲۶۔ اِسلامی سربراہی کانفرنس

۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء کو رباط میں مُسلم ممالک کی پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس مُنعقِد ہُوئی، جس میں چوبیس ممالک نے حصّہ لیا۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء کی عَرب اِسرائیل جنگ کے بعد یہ تجویز پیش کی گئی کہ دُوسری اِسلامی سربراہی کانفرنس پاکستان میں مُنعقِد کی جائے۔

اس فیصلے کے نتیجے میں بائیس فروری ۱۹۷۴ء کو لاہور میں دُوسری اِسلامی سربراہی کانفرنس مُنعقِد ہُوئی، جس میں چالیس اِسلامی ممالک نے شرکت کی۔ اِس کانفرنس میں ایشیا اور افریقہ کے مُسلمان مُلکوں کے سربراہ، وُزرائے خارجہ و نمائندے شامل ہُوے اور اِس طرح اُنھوں نے مُسلمانوں کے اِتّحاد و یگانگت اور یک جہتی کی مِثال قائم کی۔

مُسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار اِتنی بڑی تعداد میں مُسلم ممالک کے سربراہ لاہور میں جمع ہو رہے تھے، لہٰذا لاہور کے شہری اپنے مُعزّز مہمانوں کے لیے چشم براہ تھے۔ لاہور کو شایانِ شان طریقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ کانفرنس کی تمام تیّاریاں مہمانوں کی آمد سے چار دِن پہلے مُکمّل ہو چُکی تھیں۔ لاہور کے شہریوں نے ہر کام میں حکُومت کی مدد کی۔ مہمانوں کی رہائش کے لیے لاہور کے شہریوں نے اپنی بڑی بڑی کوٹھیاں بھی رضاکارانہ طور پر خالی کر دیں۔

شاہی مسجد، شاہی قلعہ، مینارِ پاکستان، مقبرۂ جہانگیر، شالامار باغ اور شاہراہِ قائدِاعظمؒ کی سج دھج دیکھنے کے لائق تھی۔ ہوائی اڈّے سے لے کر اسمبلی ہال اور مہمانوں کی قیام گاہوں تک تمام راستوں کو دُلھن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ حکّام اور عوام کی فرض شناسی اور تعاوُن مِثالی تھا۔ سڑکوں کی توسیع و مرمّت، نئے فُٹ پاتھوں کی تعمیر اور رَوشنی و صفائی کے اِنتظامات

دنوں ہی میں مکمل ہو گئے تھے۔ لاہور شہر میں چراغاں کا سماں تھا اور قوم کا ہر فرد کانفرنس کو کامیاب بنانے کے جذبے سے سرشار تھا۔

اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر دُنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں سے لاہور کا براہِ راست رابطہ قائم کر دیا گیا، کیونکہ پل پل کی خبریں دُنیا بھر کو پہنچائی جاتی تھیں۔ دُنیا کے کونے کونے سے اخبارات، خبر رساں اداروں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے نمائندے یہاں پہنچ گئے اور اپنے اپنے ملک کے لوگوں کو اس کانفرنس میں ہونے والے مذاکرات سے آگاہ کرنے لگے۔ ایک اندازے کے مطابق مقامی صحافیوں کے علاوہ قریباً تین سَو غیر ملکی اخبار نویس اور کیمرہ مین اس موقع پر لاہور میں موجود تھے۔

اسلامی ملکوں کے وفود اٹھارہ فروری سے آنے شروع ہو گئے تھے۔ اِن وفدوں میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ اور نمائندے شامل تھے۔ سربراہ بائیس اور تئیس فروری کو تشریف لائے۔ جونہی کوئی طیارہ ہوائی اڈے پر اُترتا اور مہمان طیارے سے باہر تشریف لاتے، تو انھیں توپوں کی سلامی دی جاتی اور پاکستانی افواج کے چاک چوبند دستے مہمانوں کو سلامی دیتے۔ اس بے نظیر استقبال کے مناظر ریڈیو اور ٹی وی پر برابر چوبیس گھنٹے نشر ہوتے رہتے تھے۔ لوگ اپنے مہمانوں کی آمد پر رواں تبصرہ دن بھر سنتے اور دیکھتے رہے۔ اِن مہمانوں میں اسلامی ممالک کے سربراہوں، وزرائے خارجہ اور نمائندوں کے علاوہ تحریکِ آزادیٔ فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات، فلسطینی عوام کے نمائندے کی حیثیت سے کانفرنس میں شریک ہوئے۔

بائیس فروری کو کانفرنس میں شریک رہنماؤں نے بادشاہی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ اسمبلی ہال سے لے کر بادشاہی مسجد تک سڑکوں کے دونوں طرف صبح ہی سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے تاکہ وہ مسلم رہنماؤں کی ایک جھلک دیکھ سکیں۔ جب کوئی سربراہِ مملکت یا کسی ملک کا نمائندہ وہاں سے گزرتا، تو لوگ نعرۂ تکبیر اور اتحادِ اسلام کے نعرے لگا کر اُس کا استقبال کرتے۔ لیکن جب شاہ فیصل وہاں سے گزرے، تو استقبال

کرنے والوں کا عالم دیدنی تھا۔ پاسبانِ حرم کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں جو عزت و احترام موجود ہے، اُسے کون نہیں جانتا۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ اُن کی ایک جھلک دیکھ سکے۔ پولیس کے لیے عوام کو قابو میں رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب پاسبانِ حرم کا پُر وقار چہرہ نظر آتا، فضا "پاسبانِ حرم —— زندہ باد!"، "اتحادِ اسلام —— زندہ باد!" کے نعروں سے گونج اُٹھتی۔

بادشاہی مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ صرف مہمانوں کے گزرنے کا راستہ خالی تھا۔ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد عرب مقبوضہ علاقوں کی بازیابی، دُنیا بھر کے مسلمانوں کے اتحاد اور خوشحالی و ترقی کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ یہاں بھی شاہ فیصل سب کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ آپ نے جب دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

اس تاریخی سربراہی کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۲ فروری کی شام کو پنجاب اسمبلی ہال میں منعقد ہوا۔ خطبۂ استقبالیہ میں مسلم ممالک کے اتحاد پر زور دیا گیا اور اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ اب مسلمان مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کی برتری کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اسی طرح واضح الفاظ میں اعلان کیا گیا کہ مشرقِ وسطیٰ میں قیامِ امن کے لیے ضروری ہے کہ اسرائیلی فوجیں عرب علاقے خالی کر دیں، فلسطینیوں کو اُن کے حقوق دیے جائیں اور بیت المقدس پر عربوں کی خود مختاری بحال کی جائے۔ کانفرنس کے اجلاس دو دن جاری رہے، جن میں تمام مندوبین نے تقریریں کیں اور اسلامی ممالک کے اتحاد و استحکام اور اُن کے معاشی و سیاسی مسائل کے حل کے لیے تجاویز پیش کیں۔

سربراہوں کے ایک خفیہ اجلاس میں مشرقِ وسطیٰ کے بحران، بیت المقدس کی بازیابی، اہلِ فلسطین کے حقوق کی بحالی اور تیسری دُنیا کے ملکوں کو متحد کرنے کے سلسلے میں دُور رس فیصلے کیے گئے۔

کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں بہت سے اہم فیصلے کیے گئے۔ لیبیا کے صدر معمر قذافی کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ تمام مسلم ممالک کی ترقی کے لیے جو منصوبے بنائے جائیں، اُن کی تکمیل کے لیے تمام ممالک آپس میں

اشتراک کریں اور سرمایہ فراہم کرنے کے لیے ایک اسلامی بنک قائم کیا جائے۔ چنانچہ یہ بنک اب جدّے میں قائم ہو چکا ہے اور اس نے کام شروع کر دیا ہے۔ مشرقی اور مغربی افریقہ کے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے لیے یونیورسٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ؛ مشرقی افریقہ کے مسلمانوں کے لیے یوگنڈا میں اور مغربی افریقہ کے مسلمانوں کے لیے نائیجیریا میں۔

اسلامی نیوز ایجنسی کے لیے بھی بیس لاکھ ڈالر کی رقم مختص کر دی گئی۔ علاوہ ازیں فلپائن اور اریٹیریا کے مسلمانوں کے تحفّظ اور صومالیہ کے غصب شدہ علاقوں کو خالی کرانے کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا۔ کانفرنس کے اختتام پر مسلم ممالک کا دس نکاتی منشور مرتب کیا گیا۔ اس منشور کو "اعلانِ لاہور" کا نام دیا گیا۔ اس اعلان میں یہ کہا گیا کہ تمام اسلامی ملک اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اُن کے درمیان کبھی ختم نہ ہونے والے رشتوں کی بنیاد —— مساوات، اُخوّتِ انسانی، نسلی امتیاز اور استحصال کے خلاف جدّ و جہد کے لافانی اصولوں پر استوار ہے۔

"اعلانِ لاہور" میں اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ اسرائیل سے بیت المقدس اور عربوں کے دوسرے مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرانے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ اور مسلم ممالک اس مقصد کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے نیز تمام مسلم ممالک ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد سے مسلم ممالک کے اتحاد و اتفاق کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا، جسے جمال الدین افغانیؒ نے دیکھا اور جس کے بارے میں حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

---

# مشق

۱۔ ا ۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کیوں منعقد ہوئی ؟
ب ۔ اسلامی سربراہی کانفرنس میں کتنے ممالک شریک ہوئے ؟ ان میں سے دس ملکوں کے نام لکھیے ۔
ج ۔ اس کانفرنس میں شریک ہونے والے جن سربراہوں کے نام آپ کو یاد ہیں، اُنھیں اپنی کاپی میں لکھیے ۔

۲۔ اتحاد و یگانگت ۔ یک جہتی ۔ چشم براہ ۔ شایانِ شان ۔ آراستہ ۔ فرض شناسی ۔ مذاکرات اور دُور رس کو جملوں میں استعمال کیجیے ۔

۳۔ واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے :۔
سربراہ ۔ وُفود ۔ مذاکرہ ۔ اداروں ۔ خطبہ ۔ مندوبین ۔ مسائل ۔ عزم ۔ ساحل ۔

۴۔ اس شعر کی تشریح کیجیے :۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

۵۔ "حامد خط لکھتا تھا" ایک جملہ ہے، جو پورا پورا مطلب بیان کرتا ہے ۔ اس کے تین بڑے حصے ہیں ۔ حامد، جس نے خط لکھنے کا کام کیا، "فاعل" ہے ۔ دُوسرا حصہ "خط" جسے لکھا گیا، "مفعول" ہے کہ اس پر لکھنے کا فعل واقع ہوا ہے اور تیسرا حصہ "لکھتا تھا"، "فعل" ہے، جو گزرے ہوئے زمانے میں کام کے ہونے کو ظاہر کرتا ہے ۔ اس طرح کے جملے کو "جملۂ فعلیہ" کہتے ہیں ۔ اس کی تفصیل یُوں پیش کر سکتے ہیں :۔

حامد ........ فاعل
خط ........ مفعول } جملہ فعلیہ ہوا
لکھتا تھا ........ فعل

آپ چند فعلیہ جملے لکھ کر اُن کی اسی طرح تفصیل پیش کریں ۔

---

# ۲۷- چچا چھکّن نے تصویر ٹانگی

چچا چھکّن کبھی کبھار کوئی کام اپنے ذِمّے کیا لیتے ہیں ، گھر بھر کو تگنی کا ناچ نچا دیتے ہیں - یہ کیجو ، وُہ دیجو ، گھر بازار ایک ہو جاتا ہے - پرسوں کا ذکر ہے کہ دُکان سے تصویر کا چوکھٹا لگ کر آیا - کل شام چچی کی نظر اُس پر پڑی ، تو بولیں —— "چھٹّن کے ابّا ! تصویر کب سے رکھی ہوئی ہے - خیر سے بچّوں کا گھر ٹھہرا ، کہیں ٹوٹ پھوٹ گئی ، تو بیٹھے بِٹھائے دو رُوپے کا دھکّا لگ جائے گا ! کون ٹانگے اُس کو —— ؟"

"ٹانگتا کون ؟ مَیں خُود ٹانگوں گا - کون سی بُوے شیر لانی ہے - رہنے دو ، مَیں ابھی سَب کُچھ خُود ہی کیے لیتا ہُوں" - کہنے کے ساتھ ہی شیروانی اُتار چچا تصویر ٹانگنے کے دَرپے ہو گئے - امامی سے کہا —— "بیوی سے پیسے لے کر میخیں لے آ -" اُدھر مُودے سے کہا "مُودے ! مُودے ! جانا امامی کے پیچھے - کہیو ، تین تین انچ کی ہوں میخیں - بھاگ کر جا - جا لیجو اُسے راستے ہی میں —— "

لیجیے ، تصویر ٹانگنے کی داغ بیل پڑ گئی اور اَب آئی گھر بھر کی شامت !

"او ننّھے ! جانا ذرا میرا ہتھوڑا لے آنا —— اَرے بُنّو ! تُم ذرا جا کر کسی سے کہ دیتے ، سیڑھی یہاں لا کر لگا دے - اَور ہاں دیکھنا ، وُہ لکڑی کے تختے والی کُرسی بھی لیتے آنا —— چھٹّن بیٹے ! ذرا جانا تو اپنے اُن ہمسائے ، میر باقر علی ، کے گھر - کہنا ، ابّا نے سلام کہا ہے اَور پُوچھا ہے ، آپ کی ٹانگ اَب کیسی ہے ؟ اَور کہیو ، وُہ جو آپ کے پاس آلہ ہے نا ! جس سے سیدھ معلوم ہوتی ہے ، وُہ ذرا دے دیجیے - تصویر ٹانگنی ہے —— یہ تُم کہاں چل دیے بُنّو ! سیڑھی پر روشنی کون دِکھائے گا ہم کو ؟ —— آ گیا امامی ! لے آیا میخیں ؟ مُودا مِل گیا تھا ؟ بس ، ٹھیک ہے -

اے لو! سُتلی منگوانے کا تو خیال ہی نہ رہا! جانا، میرا بھائی! جلدی سے ہوا کی طرح جا اور سُتلی لے آ۔ نہ بہت موٹی ہو نہ پتلی۔ کہ دینا، تصویر ٹانگنے کو چاہیے ہے ــــــ وَدّو کہاں گیا؟ ــــــ ارے میاں! یہاں آؤ، تم کرسی پر چڑھ کر مجھے تصویر پکڑانا ........"

لیجیے صاحب! خدا خدا کر کے تصویر اُٹھانے کا وقت آیا۔ مگر چچا اُسے اُٹھا کر ذرا وزن کر رہے تھے کہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گر کر شیشہ چکنا چُور ہو گیا۔ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ چچا نے کچھ خفیف ہو کر کرچوں کا معائنہ شروع کر دیا۔ وقت کی بات، انگلی میں شیشہ چُبھ گیا۔ خون نکل آیا۔ اپنا رومال تلاش کرنے لگے۔ رومال کہاں سے ملے؟ رومال تھا شیروانی کی جیب میں، اور شیروانی اُتار کر نہ جانے کہاں رکھی تھی؟ ــــــ اب گھر میں شیروانی کی ڈھنڈیا پڑ گئی۔ چچا کمرے میں ناچتے پھر رہے تھے ــــــ "سارے گھر میں کسی کو اتنی توفیق نہیں کہ میری شیروانی ڈھونڈ نکالے ــــــ چھ چھ آدمی ہیں اور ایک شیروانی نہیں ڈھونڈ سکتے، جو ابھی پانچ منٹ بھی تو نہیں ہوئے، میں نے اُتار کر رکھی ہے ........"

اتنے میں آپ کسی جگہ سے بیٹھے بیٹھے اُٹھتے ہیں، تو کیا دیکھتے ہیں کہ شیروانی ہی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اب پکار پکار کر کہ رہے ہیں

"ارے بھائی! رہنے دینا ــــــ مل گئی شیروانی ــــــ ڈھونڈ لی ہم نے! تم کو تو آنکھوں کے سامنے بیل بھی کھڑا ہو، تو نظر نہیں آتا!"

آدھے گھنٹے تک انگلی بندھتی بندھاتی رہی۔ نیا شیشہ منگوا کر چوکھٹے میں جڑا اور دو گھنٹے بعد تصویر ٹانگنے کا مرحلہ درپیش ہوا۔ اوزار آئے، سیڑھی آئی۔ چوکی آئی۔ شمع لائی گئی۔ چچا جان سیڑھی پر چڑھ رہے ہیں، اور گھر بھر نیم دائرے کی شکل میں امداد دینے کو لیس کھڑا ہے۔ دو آدمیوں نے سیڑھی پکڑی، تو چچا جان نے اس پر قدم رکھا۔ اوپر پہنچے ــــــ ایک نے کرسی پر چڑھ کر میخیں بڑھائیں۔ ایک قبول کر لی ــــــ دوسرے نے ہتھوڑا

اُوپر پہنچایا ۔ سنبھالا ہی تھا کہ میخ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی ۔ کھسیانی آواز میں بولے ،

"اے لو ! اب کم بخت میخ چھوٹ کر گر پڑی ۔ دیکھنا ، کہاں گئی !"

اب جناب ! سب کے سب گھٹنوں کے بل ٹٹول ٹٹول کر میخ تلاش کر رہے ہیں اور چچا میاں سیڑھی پر کھڑے مسلسل بڑبڑا رہے ہیں :

"ملی ؟ —— ارے کمبختو ! ڈھونڈی ؟ —— اب تک تو میں سو مرتبہ تلاش کر لیتا —— اب میں سیڑھی پر کھڑا کھڑا سوکھا کروں گا ! —— نہیں ملتی ، تو دوسری ہی دے دو ، اندھو !"

یہ سن کر سب کی جان میں جان آتی ہے ، تو پہلی میخ ہی مل جاتی ہے ۔ اب میخ چچا کے ہاتھ میں آتی ہے ، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں ہتھوڑا غائب ہو چکا ہے ۔

"یہ ہتھوڑا کہاں چلا گیا ؟ کہاں رکھا تھا میں نے ؟ لاحول ولاقوۃ ! —— اُلّو کی طرح آنکھیں پھاڑے میرا منہ کیا تک رہے ہو ؟ —— سات آدمی ، اور کسی کو معلوم نہیں ، ہتھوڑا میں نے کہاں رکھ دیا ؟"

بڑی مصیبتوں سے ہتھوڑے کا سراغ نکلا اور میخ گاڑنے کی نوبت آئی ۔ اب آپ یہ بھول بیٹھے ہیں کہ ماپنے کے بعد میخ گاڑنے کو دیوار پر نشان کس جگہ کیا تھا ؟ —— سب باری باری کرسی پر چڑھ کر کوشش کر رہے ہیں کہ شاید نشان نظر آ جائے ۔ ہر ایک کو الگ الگ جگہ نشان دکھائی دیتا ہے ۔ چچا سب کو باری باری "اُلّو —— ! گدھا —— !" کہہ کر کرسی سے اُتر جانے کا حکم دے رہے ہیں ۔

آخر پھر کونے سے تصویر ٹانگنے کی جگہ کو دوبارہ ماپنا شروع کیا ۔ اب کے چچا ستلی سے ماپنے کا ارادہ رکھتے ہیں —— سیڑھی پر پینتالیس درجے کا زاویہ بنا کر ستلی کا سرا کونے تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ستلی ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے —— آپ لپک کر اسے پکڑنا چاہتے ہیں کہ اس کوشش میں زمین پر آ رہتے ہیں !

بہت دُشواری کے بعد چچا جان از سرِ نَو میخ گاڑنے کی جگہ مُعیّن کرتے ہیں ۔ بائیں ہاتھ سے اُس جگہ میخ رکھتے ہیں اور دائیں ہاتھ سے ہتھوڑا سنبھالتے ہیں ـــــ پہلی ہی چوٹ جو پڑتی ہے، تو سیدھی ہاتھ کے انگوٹھے پر ـــــ !

آپ ”سی ـــــ !“ کر کے ہتھوڑا چھوڑ دیتے ہیں ۔ وہ نیچے آ کر گرتا ہے کسی کے پاؤں پر !

”ہائے، وائے ! ـــــ مار ڈالا ! ـــــ“ شروع ہو جاتی ہے ۔ چچی جل بھن کر کہتی ہیں ـــــ ”یُوں میخ گاڑنا ہُوا کرے، تو مجھے آٹھ روز پہلے خبر دے دیا کیجیے ـــــ میں بچّوں کو لے کر میکے چلی جایا کروں .......“

چچا نادِم ہو کر جواب دیتے ہیں ـــــ ”یہ عورت ذات بھی بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہے، یعنی ہُوا کیا، جس پر کوسنے دیے جا رہے ہیں ـــــ ؟ بھلا صاحب ـــــ ! کان ہوئے ۔ آئندہ ہم کسی کام میں دخل نہ دیا کریں گے .........“

اب از سرِ نو کوشش شروع ہوئی ۔ میخ پر دُوسری چوٹ پڑی، تو اس پر پلستر نرم تھا ۔ پُوری کی پُوری میخ اور آدھا ہتھوڑا دیوار میں ـــــ ! اس کے بعد میخ گاڑنے کی دُوسری جگہ مُقرّر ہُوئی ـــــ اور کوئی آدھی رات کا وقت ہوگا کہ خدا خدا کر کے تصویر ٹنگی ـــــ وہ بھی کیسی؟ ٹیڑھی ـــــ ! اور اتنی جُھکی ہُوئی، جیسے اب سر پہ آئی کہ اب سر پہ آئی !

چچا ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولے :

”اتنی سی بات تھی ـــــ ! لگ بھی گئی ـــــ ! لوگ اس کام کے لیے مستری بلوایا کرتے ہیں ـــــ !“

(سیّد اِمتیاز علی تاج

---

# مشق

۱۔ جملوں میں استعمال کیجیے :۔
تگنی کا ناچ نچانا ۔ جوئے شیر لانا ۔ داغ بیل پڑنا ۔ منہ تکنا ۔ لیس ہونا ۔ بات کا بتنگڑ بنانا ۔ جان میں جان آنا ۔

۲۔ چچا چھکن کی شخصیت کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں ؟

۳۔ مندرجۂ ذیل کے معنی بتائیے :۔
ہوا کی طرح جانا ۔ خفیف ہونا ۔ ڈھنڈیا پڑنا ۔ کھسیانی آواز ۔

۴۔ سید ۔ چچا ۔ ماموں ۔ ابّا کے مؤنّث لکھیے ۔

۵۔ اس سبق میں سے اسمائے آلہ چن کر لکھیے ۔

۶۔ "او" ۔ "ارے" ۔ "ابے" وغیرہ ایسے لفظ ہیں ، جو کسی کو پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔ انھیں قواعد میں "حرفِ ندا" کہتے ہیں ۔ اس سبق میں سے ایسے الفاظ کی فہرست بنائیے ۔

۷۔ "تاکہ" ۔ "اگرچہ" ۔ "ہی" ۔ "مگر" ۔ "البتّہ" میں سے مناسب الفاظ لگا کر جملے مکمل کیجیے :۔

ا ۔ گاڑی تو موجود نہیں ........ سائیکل حاضر ہے ۔
ب ۔ سب آ گئے .......... اسلم ابھی تک نہیں آیا ۔
ج ۔ .......... وہ بیمار ہے ، مگر برابر کام کیے جا رہا ہے ۔
د ۔ اب کے پھر حامد .......... نے پہلا انعام جیت لیا ۔
ہ ۔ اس نے خط لکھ دیا .......... وہ سٹیشن پر پہنچ جائیں ۔

---

# ۲۸۔ جوانمردی

تھا کسی مُلک میں اِک دولتمند
حق نے تین اُس کو دِیے تھے فرزند

دُور و نزدِیک تھا گھر گھر چرچا
باپ بیٹوں کی جواں مردی کا

ہو چُکا عُمر کا جب سرمایہ
ایک دِن باپ کے جی میں آیا

گھر ہے تکرار کا یہ دَولت و زر
مُشترک چھوڑ مرے اِس کو اگر

جَلد ہو جائے کہیں یہ تقسیم
آخر اِک روز ہے مَرنا تسلیم

بس کہ تھا اُس کو بہت فکرِ مآل
ایک دِن بیٹھ کے سب مال و مَنال

اِک گراں مایہ جواہر کے سِوا
تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا

پھر کہا اُن سے کہ اے اہلِ ہُنر
باپ کی جان فدا ہو تُم پر

تُم میں جس سے ہو بڑا کام کوئی
یہ جواہر ہے اَمانت اُس کی

باپ نے اُن سے کہا جب یہ سخُن
پھر تو تینوں کو لگی ایک ہی دُھن

کہ کوئی کارِ نُمایاں کیجیے
جس طرح ہو، یہ جواہر لیجیے

اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے
اُس کو یہ فکر سِوا تھا سب سے

ایک دِن اُس کا کوئی واقفِ کار
کہ نہ تھا جس سے کُچھ اِخلاص نہ پیار

رکھ گیا آ کے جوانمرد کے پاس
ایک بھاری سی رَقم بے وَسواس

تھے رقم سے وُہی دونوں آگاہ
نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ

کُچھ بھی نیّت میں گر آ جائے خلَل
تو یہ تھا عین خیانت کا محل

جب رَقم اُس نے طلب کی اِس سے
وَسوَسے دِل میں بہُت سے آئے

مگر اِس شیر کی نیّت نہ پھری
لی تھی جن ہاتھوں، اُنھی ہاتھوں دی

نفسِ سرکش کو کیا مات اُس نے
دی رَقم اور نہ دی بات اُس نے

صاحبِ زر نے جو کچھ نذر کیا
وہ بھی اُس دِل کے غنی نے نہ لیا
باپ کو آن کے جب دی یہ خبر
ہنس کے فرمایا کہ اے جانِ پدر!
اِک بُرائی سے بچے ہو تم تو کیا؟
اِس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا؟
اِک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز!
شرم کی جا ہے، تری عُمر دراز
منجھلے بیٹے نے پھر اِک دِن یہ کہا
"میں جو دریا کی طرف جا نِکلا!
دیکھتا کیا ہوں کہ اِک طفلِ صغیر
گر کے پانی میں چلا صُورتِ تیر
تھا جہاں یار، نہ کوئی یاور
ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر
گرچہ تھا کام خطرناک بڑا
پَر اُسے دیکھ کے دِل رہ نہ سکا
جان و تن کی نہ رہی مجھ کو خبر
جا پڑا نام خُدا کا لے کر
ایک دم بھر میں گیا اور آیا
لا کے بیٹے کو دِیا ماں سے مِلا"
باپ نے سُن کے یہ سب اُس سے کہا
"کام مردوں کے یہی ہیں بیٹا!
آدمیت کا کِیا تُم نے یہ کام
جاؤ بس ہے یہی اِس کا اِنعام
فخر کی جا یہ مری جاں! کیا ہے؟
نہ ہو اِتنا بھی تو اِنساں کیا ہے؟"
پسرِ خُرد کا اَب سُنیے بیاں
جو کہ تھا سَب سے بزرگی میں کلاں
عرض کرتا ہے بصد عجز و نیاز
باپ سے اپنے کہ اے بندہ نواز!
خُوب اِک روز گھٹا چھائی تھی
رات آدھی کے قریب آئی تھی
اِک پہاڑی پہ چلا جاتا تھا
خوف چھاتی پہ چڑھا جاتا تھا
کوندی اِک سَمت سے بجلی ناگاہ
جس سے آگے کو کھُلی راہِ نگاہ
پڑی اِک غار پہ واں میری نظر
جس کی صُورت سے برستا تھا خطر
مَوت کھولے ہُوے تھی مُنہ گویا
جس کے دیکھے سے جگر ہلتا تھا
دیکھتا کیا ہُوں کہ اک مردِ غریب
جس کو روتے ہیں کھڑے اُس کے نصیب

جان و تن کا نہیں کچھ نیند میں ہوش — غار کے منہ میں پڑا ہے مدہوش
اپنی ہستی کی نہیں اُس کو خبر — اور قضا کھیل رہی ہے سر پر
اجل آ جائے تو ہے روک نہ تھام — ایک کروٹ میں ہے بس کام تمام
مرد نکلا وہ شناسا میرا! — تھا مگر خون کا پیاسا میرا!
مجھ میں اور اُس میں عداوت گہری — ایک مدت سے چلی آتی تھی
واں عداوت پہ گر آؤں اپنی — اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی
مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار — اک اشارے میں وہ تھا لقمۂ غار
آگیا مجھ کو مگر خوفِ خدا — اور پہلو سے یہ دی دل نے صدا
مرتے کو مارنا بے دردی سے — ہے بہت دور جواں مردی سے
جی میں یہ کہہ کے بڑھا جانبِ غار — کہ اسے کیجیے چل کے بیدار
واں سے جا اُس کو اٹھا لایا میں — موت کی زد سے بچا لایا میں
منہ کو دامن سے مگر ڈھانپ لیا — اُس کو شرمندۂ احساں نہ کیا"

سن کے دی باپ نے بیٹے کو دعا
اور چھاتی سے لیا اُس کو لگا

پھر بڑے بیٹوں کو بلوا کے کہا — بولو، اب کس سے ہوا کام بڑا؟
داستاں جب یہ سنی دونوں نے — باپ سے عرض یہ کی دونوں نے
خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف! — پوچھیے ہم سے تو ہے یہ انصاف
جس جواہر کے طلبگار تھے ہم — اس کے لائق تھے نہ حق دار تھے ہم
باپ یہ سن کے ہوا شاد بہت — اُن کے انصاف کی دی داد بہت
چھوٹے بیٹے کو بلا کر پھر پاس — پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس

پھر جواہر اسے دے کر یہ کہا
لو! یہ ہو تم کو مبارک بیٹا!

(مولانا الطاف حسین حالیؒ)

# مشق

۱ – اِن سوالوں کے جواب دیجیے :–
ا – باپ نے قیمتی ہیرے کے لیے کیا شرط مقرّر کی ؟
ب – چھوٹے لڑکے کو ہیرا کیوں دے دِیا گیا ؟
ج – اگر دُشمن عاجز اَور مجبُور ہو، تو اُس کے ساتھ کیسا سُلوک کرنا چاہیے ؟
د – دُوسرے دونوں بیٹوں نے جو اَچھّے کام کیے، اُن کا مختصر حال بیان کیجیے۔

۲ – یہ نظم حالی کی ہے ۔ اَیسی نظم کو "مثنوی" کہتے ہَیں، جس میں کوئی واقعہ، کہانی یا قصّہ مُسلسل بیان کیا جائے ۔ مثنوی کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہَیں ۔ آپ اِس نظم کے آٹھ اَشعار چُنیے اَور اُن کے قافیے اَلگ اَلگ لکھیے ۔

۳ – اِس نظم میں سے مُشکِل اَلفاظ چُنیے، اُنھیں حرُوفِ تہجّی کے اِعتبار سے ترتیب دِیجیے اَور اُن کے معنی لُغت میں تلاش کیجیے ۔

۴ – اِن اَلفاظ کو جُملوں میں اِستعمال کیجیے :–
فِکرِ مآل ۔ تسلیم ۔ فِدا ۔ دُھن ۔ سرکش ۔ نوِشتہ ۔ خیانت ۔ مدہوش ۔

۵ – اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کیجیے :–
مشترک ۔ اخلاص ۔ نفس ۔ ہنس ۔ فخر ۔

۶ – اِن کے مُتضاد لکھیے :
پدر ۔ صغیر ۔ خُورد ۔ تاریک ۔

۷ – اِس سبق میں سے فِعل مَعرُوف کی پانچ مثالیں تلاش کیجیے ۔

۸ – گویا ۔ اے ۔ اگر ۔ مگر ۔ اگرچہ کو جُملوں میں اِستعمال کیجیے ۔

---

# ۲۹ ۔ علّامہ شبّیر احمد عثمانیؒ

انگریزوں کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مسلمان مدّت سے جدّ و جہد کر رہے تھے ۔ ملکی حالات کے ساتھ ساتھ تحریکِ آزادی مختلف راہیں اختیار کرتی رہی ۔ آخرکار علامہ اقبالؒ نے پاکستان کا تصوّر دیا اور قائدِ اعظمؒ نے حصولِ پاکستان کو نصب العین قرار دے کر پُرجوش تحریک چلائی اور یہ تحریک بہت جلد مسلمانوں کی آرزوؤں کا مرکز بن گئی ، حتّٰی کہ ایمان ، اسلام اور پاکستان کے الفاظ ایک ہی مفہوم میں استعمال ہونے لگے ۔ اس تحریک میں مسلمانوں کے سبھی طبقوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ۔ ان میں تاجر بھی تھے اور ملازم بھی ۔ زمیندار بھی تھے اور مزارع بھی ۔ اہلِ ثروت بھی تھے اور مفلس بھی ۔ طلبہ بھی تھے اور خواتین بھی ۔ مشائخ و صوفیا بھی تھے اور اساتذہ و علما بھی ۔ علمائے کرام میں سے پاکستان کے پیغام کو عوام تک پہنچانے کے لیے جن بزرگوں نے حصّہ لیا ، ان میں مولانا شبّیر احمد عثمانیؒ سرِ فہرست ہیں ۔

مولانا عثمانیؒ ۱۸۸۵ء میں بجنور میں پیدا ہوئے ۔ علم حاصل کرنے کا شوق انھیں شروع ہی سے تھا ۔ انھوں نے بہت چھوٹی عمر میں عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل کر لیا اور دینی مدارس میں قرآن و حدیث کے علوم حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے ۔ آپ نے اپنی تعلیم دارالعلوم ، دیوبند میں مکمّل کی ۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مختلف دینی مدارس میں معلّم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے ۔ ۱۹۳۶ء میں آپ دارالعلوم دیوبند کے پرنسپل مقرّر ہوئے اور اس کی ترقّی کے لیے کوشش کرتے رہے ۔

تحریکِ پاکستان کے دوران آپ نے دارالعلوم سے علحدگی اختیار کر لی اور اپنا سارا وقت قومی تحریک کے لیے وقف کر دیا ۔ پاکستان بننے کے بعد

آپ کراچی میں قیام پذیر ہوئے اور یہیں وفات پائی۔
مولانا کے اُستاد مولانا محمود الحسنؒ نے قرآنِ مجید کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا، لیکن اُن کی وفات کے باعث یہ نامکمل رہ گیا۔ اُن کی وصیّت کے مطابق مولانا عثمانیؒ نے یہ ترجمہ مکمل کیا، جس کا نام "فوائدُ القرآن" ہے۔ اِس کے ترجمے فارسی، پشتو اور بعض دُوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب "مسلم" کی شرح بھی آپ نے لکھی، جو آپ کے علم و فضل کا ثبوت ہے۔ علّامہ عثمانیؒ اُردو اور عربی کے بلند پایہ مقرّر تھے۔ آپ کی تقریر مدلّل اور مؤثّر ہوتی تھی۔ علمی مسائل پر گھنٹوں اظہارِ خیال کرتے رہتے، مگر کیا مجال کہ حاضرین میں کوئی اُکتاہٹ پیدا ہو۔ آپ نے اِس فنِّ خطابت سے تبلیغِ دین کے علاوہ قومی تحریک کو فروغ دینے میں بہُت کام لیا۔
علّامہ عثمانیؒ دو قومی نظریّے کے زبردست حامی تھے۔ یہی نظریہ پاکستان کی اَساس تھا، جس کا مطلب تھا کہ برِّصغیر میں ہندُو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں، کیونکہ قوم مذہب کی بُنیاد پر وجُود میں آتی ہے۔ اِس کے برعکس ہندُوؤں کی جماعت کانگرس کا نظریّہ یہ تھا کہ قوم وطن سے بنتی ہے، اِس لیے ہندوستان کے تمام باشندے، خواہ ہندُو ہوں، خواہ مسلمان، ایک ہی قوم ہیں۔ کانگرس اِس نظریّے سے سیاسی فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی۔ ہندوستان میں ہندُوؤں کی تعداد زیادہ تھی، اِس لیے اُنھیں یقین تھا کہ جمہوری اصُول کے مطابق حکومت پر اُنھی کا قبضہ ہوگا۔
انگریزوں سے اِقتدار حاصل کرنے کے لیے ہندُوؤں نے اُن کو یقین دِلا رکھا تھا کہ سارے ہندوستانی باشندوں کی نمائندہ جماعت صِرف کانگرس ہی ہے۔ اگر کانگرس کی یہ چال کامیاب ہو جاتی، تو برِّصغیر میں مسلمان ہمیشہ کے لیے ہندُوؤں کے غُلام بن کر رہ جاتے۔ حضرتِ قائدِ اعظمؒ نے ہندُوؤں کے اِس فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ اُنھوں نے یہ بات دلائل سے ثابت کی کہ :۔
"قومیّت کی جس طرح بھی تعریف کی جائے، اُس کی رُو سے مسلمان ایک الگ قوم کی حیثیّت رکھتے ہیں اور اِس بات کے مستحق ہیں کہ

اس مُلک میں اُن کی اَلگ مملکت اَور جُداگانہ خُودمُختار رِیاست ہو"۔
یہی "دو قومی نظریّہ" پاکستان کی اَساس تھا۔

دُوسرے پاکستانی رہنماؤں کی طرح علّامہ عُثمانیؒ نے بھی کانگرس کی کُھل کر مُخالفت کی اَور دو قومی نظریّے کی ترویج میں حِصّہ لیا۔ مولانا فرماتے تھے کہ مُسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لیے ضُروری ہے کہ اُن کا اپنا مُستقل مرکز ہو، جہاں وُہ قانُونِ خُداوندی کو نافذ کر سکیں اَور اِسلامی عَدل و اِنصاف کا عملی نمُونہ پیش کر کے دُنیا کو ہدایت کا راستہ دِکھا سکیں۔ آپ نے اس نظریّے کی تبلیغ کے لیے عُلمائے کرام کو مُنظّم کیا اَور برِّصغیر کے طُول وعرض میں پاکستان کی تحریک کا پیغام پُہنچایا۔ آپ نے بے شُمار جلسوں میں تقریریں کیں اور مُسلمانوں کو یقین دِلایا کہ اس دَور میں قائدِاعظمؒ ہی وُہ شخصیّت ہیں، جو سیاست کو اچھّی طرح سمجھتے ہیں اور اُن کے کِردار میں اِتنی پُختگی ہے کہ نہ وُہ کِسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں اور نہ کِسی دباؤ کے سامنے جُھک سکتے ہیں مُسلمانوں کا فرض ہے کہ وُہ تحریکِ پاکستان کے بانی کی مَدد کریں اور اپنے عملی تعاوُن سے تحریک کو کامیاب بنائیں۔ آپ کی تقریروں نے مُسلمانوں میں دِینی جوش پیدا کیا اور تحریک تیزی کے ساتھ اپنی منزِل کی طرف بڑھتی گئی۔

تحریکِ پاکستان کی راہ میں کئی نازک مرحلے بھی آئے۔ اِن میں ایک مرحلہ بعض عُلمائے کِرام کی مُخالفت کا تھا۔ بدقِسمتی سے اِس دَور کے بعض نامور عُلما کانگرس کے ساتھ تعاوُن کر رہے تھے اَور دو قومی نظریّے کی جگہ مُتّحدہ قومیّت کے قائل تھے۔ چُونکہ مُسلمانوں پر اِن عُلما کے عِلم وفضل کا سِکّہ جما ہُوا تھا اور دِینی اُمُور میں لوگ اُن کی رائے پر اِعتماد کرتے تھے، اس لیے پاکستان کی مُخالفت کرنے میں ایسے عُلما کا یہ رَوِیّہ نُقصان دِہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اس مرحلے پر علامہ عُثمانیؒ کی خِدمات ناقابِلِ فراموش ہیں۔ آپ نے تحریکِ پاکستان کی حِمایت میں نہ صِرف اُن عُلما کی مُخالفت قبُول کی، بلکہ ہر مَیدان میں اُن کے نظریّات کو باطِل ثابت کیا اَور عوام کے ذِہنوں سے اِس مخصُوص طبقے کے اَثرات کو زائل کیا۔

قائدِاعظمؒ علامہ عُثمانیؒ کی قومی خِدمات کے مُعترف تھے اور اُن پر بہُت اِعتماد کرتے تھے۔ پاکستان کو نُقصان پُہنچانے کے لِیے انگریزوں اور ہِندُوؤں نے سازِش کی اور یہ فیصلہ کرا لیا کہ صُوبۂ سَرحَد میں اِستِصواب کرایا جائے، یعنی سَرحَد کے لوگوں سے رائے شُماری کے ذرِیعے سے یہ پُوچھا جائے کہ وُہ پاکستان میں شامِل ہونا چاہتے ہَیں یا ہِندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہَیں۔ اُس وَقت صُوبۂ سَرحَد میں کانگرس کی حکُومت تھی، اِس لِیے اِن لوگوں کو یقِین تھا کہ سَرحَد کے لوگ حکُومت کی مَرضی کے مُطابِق فیصلہ دیں گے۔

حضرتِ قائدِاعظمؒ نے اِس سِلسلے میں علاّمہ عُثمانیؒ کو سَرحَد کے دَورے کے لِیے بھیجا۔ علاّمہ بُڑھاپے اَور کمزوری کے باوُجُود قائِد کے حُکم کے مُطابِق سَرحَد پُہنچ گئے۔ آپ نے اپنی تقریروں میں انگریزوں اَور ہِندُوؤں کی سازِش کو بےنقاب کِیا اَور مُسلمانوں کو پاکستان کی اِسلامی مملکت کے فوائِد سے آگاہ کِیا۔ سَرحَد کے مُسلمانوں کی دِینی حَمِیّت اَور غیرت کا جَذبہ ضَربُ المَثَل ہَے۔ اِس پر علاّمہؒ کی تقریریں سونے پر سُہاگے کا کام کر گئیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ حکُومت کی تمام کوششوں کے باوُجُود مُسلمانوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دِیا۔ اِسی طرح علاّمہ صاحبؒ نے قبائِلی عِلاقوں کا دَورہ کِیا اَور وہاں بھی مُسلمانوں کو اِسلامی رِیاست کی اِفادِیّت سے آگاہ کِیا اَور اُنھیں پاکستان کی حمایت پر اُبھارا۔ قائدِاعظمؒ نے اِس کامیابی پر مَولانا کو مُبارکباد دی اَور اُن کی کوششوں کو سَراہا۔

پاکستان بننے کے بعد علاّمہ عُثمانیؒ نے پاکستان میں اِسلامی قانُون رائج کرانے کی کوششیں شرُوع کر دیں۔ اِس سِلسلے کا پہلا تقاضا یہ تھا کہ مُلک کا دَستُور اِسلامی اُصُولوں کے مُطابِق مُرَتّب کِیا جائے۔ پاکستان کی پہلی دستُوریہ نے یہ کام شرُوع کر دِیا تھا۔ علاّمہ عُثمانیؒ نے عُلمائے کِرام کی مَدَد سے قراردادِ مَقاصِد مُرَتّب کی۔ جِس میں اِسلامی دَستُور کے لِیے بُنیادی اُصُول مُقرّر کِیے گئے تھے، جِس کے بارے میں آپ اِس سے پہلے پڑھ چُکے ہَیں۔ یہ قراردادِ مَقاصِد عَلاّمہ عُثمانیؒ ہی نے منظُور کرائی تھی اَور اِس طرح پاکستان میں اِسلامی دَستُور کے نِفاذ کی راہ ہموار کر دی تھی۔ عَلاّمہؒ کی اِنھی خِدمات کی وَجہ سے اُنھیں "شَیخُ الاِسلام" کہا جاتا ہَے۔

# مشق

ا۔ اِن سوالوں کے جواب دیجیے :۔

ا۔ علامہ عثمانیؒ کہاں پیدا ہوئے ؟

ب۔ آپ نے تعلیم کس اِدارے میں حاصل کی ؟

ج۔ آپ کو کون کون سی زبانوں پر عبُور حاصل تھا ؟

د۔ علّامہؒ نے قرآنِ مجید کا جو ترجمہ کیا ہے، اُس کا نام بتائیے۔

ہ۔ تحریکِ پاکستان کے سِلسلے میں علّامہؒ نے کیا خِدمات انجام دیں ؟

۲۔ مشائخ۔ اساتذہ۔ علما۔ خواتین۔ فوائد۔ عوام۔ علُوم کے واحد لکھیے۔

۳۔ مُندرجۂ ذیل کا مفہوم واضح کیجیے :۔

تحریک۔ اِستصواب۔ نصبُ العین۔ دو قومی نظریّہ۔

۴۔ تحریکِ آزادی۔ پیغام۔ علیحدگی۔ مُقرّر۔ ترویج کو جُملوں میں اِستعمال کیجیے۔

۵۔ آپ نے اِس سے پہلے ”شمسی حرُوف“ کے بارے میں پڑھا ہے۔ اِسی طرح عربی میں چودہ حرُوف ایسے ہیں، جنھیں ”قمری حرُوف“ کہتے ہیں۔ اِن سے پہلے ”اَل“ لگایا جائے، تو یہ پڑھنے میں بھی آتا ہے، جیسے ”اَلْ قمر“ کو ”اَلقمر“ ہی پڑھیں گے۔ اُردو میں بہُت سے ایسے مُرکّب الفاظ ہیں، جن میں ”قمری حرُوف“ سے ما قبل ”اَل“ لگایا گیا ہے، جیسے ”دارُالعلُوم“، ”ابُوالحسنات“، ”عبدُالباسِط“ وغیرہ۔

درج ذیل چودہ ”حرُوفِ قمری“ ہیں :۔

ا۔ ب۔ ج۔ ح۔ خ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ ک۔ م۔ و۔ ہ اور ی۔

۶۔ ایسے دس مرکبات اپنی کاپی میں لکھیے، جن میں قمری حرُوف سے پہلے ”اَل“ لگایا گیا ہو۔

# ۳۰۔ چیونٹیوں کی فتح

موسمِ گرما کی جھلس دینے والی لُو ختم ہو چکی تھی۔ برسات کا آغاز ہونے والا تھا۔ ہوا بند تھی۔ حبس بڑھ رہا تھا۔ گھنے جنگل میں ہوا کا گزر نہ ہو، تو پودے تک پژمُردہ ہو جاتے ہیں۔ شیر اپنی کچھار میں بیٹھا گھٹن محسوس کرتا ہے۔ کیڑے مکوڑے تک اپنے بلوں سے باہر آ جاتے ہیں۔ سانپ بھی اپنی بانبیاں چھوڑ کر باہر نکل آتے ہیں۔

آبادی سے بہت دُور ایک وسیع اور گنجان جنگل تھا، جس میں پرندے، چرندے اور درندے وغیرہ رہتے تھے۔ نشیب میں ایک سانپ کی بانبی تھی۔ یہ سانپ خاصا لمبا تھا۔ رنگ اتنا کالا کہ کولتار بھی دیکھ کر شرمائے۔ سر پر چوڑا سا پھن تھا، جس میں ایک چمکدار حلقہ بنا ہوا تھا۔ جب وہ اپنی بانبی سے باہر آتا، تو ہر جانور اُس سے دہشت کھاتا، حتیٰ کہ شیر بھی دیکھ پاتا، تو راستہ بدل کر نکل جاتا ـــــ درختوں پر سے پرندے اُسے دیکھتے، تو شور مچاتے اور یہ تن کر زمین سے فوراً دو ہاتھ اُونچا کھڑا ہو جاتا۔ پھن پھیلاتا، جھومتا اور اپنی پتلی سی سُرخ دو شاخی زبان بڑی تیزی سے چلاتا۔ پرندے اُڑتے اُڑتے کبھی اِس شاخ پر بیٹھ کر چلاتے، کبھی اُڑ کر دُوسری شاخ پر جا بیٹھتے اور درختوں پر سے گردن جھکا جھکا کر نیچے دیکھتے، اور زور زور سے شور کرتے ہوئے پھر اُڑ جاتے۔ سانپ کو احساس تھا کہ دُوسرے جانور اُس سے ڈرتے ہیں۔ وہ غرور میں آ کر اور زیادہ تن جاتا۔ وہ پرندوں کی اِس ہا و ہُو سے لُطف اندوز ہوتا اور جھوم جھوم کر اُنھیں اور بھی ہراساں کرتا۔ اگر کسی پرندے کی آنکھیں اُس سے دوچار ہو جاتیں، تو وہ تاب نہ لا کر اُس کے آگے گر پڑتا، گویا اپنی جان کا حقیر نذرانہ کالے ناگ کو پیش کر دیتا اور یہ فوراً اُسے ہڑپ کر جاتا۔

ایک دِن کالی گھٹا اُٹھی ۔ کالی کالی مُتوالی سی ۔ بڑھی، پھیلی اَور سارے آسمان پر چھا گئی ۔ بادَل گرجا، بجلی لہرائی اَور یکایک مُوسلا دھار بارِش ہونے لگی ۔ گرمی کا پُھنکا ہُوا سانپ بانبی سے باہر نکل آیا اَور ٹھنڈی ہوا اَور بارش کا لُطف اُٹھانے لگا ۔ کبھی گھاس پر لَوٹتا، کبھی پھَن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا اَور دَرختوں کی نازُک شاخوں کی طرح لہراتا، نہاتا اَور خُوشی سے پُھولا نہ سماتا اَور دِل ہی دِل میں کہتا، ہم سانپ نہیں، ناگ ہیں، ٹھنڈ میں بھی آگ ہیں ۔ کَون ہے، جو ہمارے سامنے آئے، ہم سے آنکھ مِلائے اَور دہشت سے مر نہ جائے ۔

سانپ اِنھی خیالات میں تھا کہ اولے پڑنے لگے ۔ وُہ ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو گیا ۔ پاس ہی ایک چھوٹا سا دَرخت تھا ۔ اُس پر ایک فاختہ نے اپنا گھونسلا بنا رکھّا تھا ۔ وُہ اپنے ننّھے ننّھے بچّوں کو پَروں کے نیچے لیے بیٹھی تھی ۔ سانپ کو بُھوک لگ رہی تھی ۔ وُہ جھاڑی سے نکلا اَور آہِستہ آہِستہ دَرخت کے اُوپر چڑھ گیا ۔ گھونسلے کے قریب پہنچا، تو فاختہ اُڑ گئی ۔ زور زور سے نالہ و فریاد کرنے لگی، مگر اُس ظالم کو رحم نہ آیا ۔ گھونسلے میں بیٹھ کر اُس غریب کے بچّوں کو نگل گیا ۔ فاختہ روتی شور مچاتی رہی، مگر کوئی اُس کی فریاد کو نہ پہنچا ۔

اَب ہوا میں تیزی آ گئی تھی ۔ سانپ دَرخت سے اُترا، زمین پر ہر طَرف پانی ہی پانی تھا ۔ سَردی سے بچنے کے لیے اُسے گرم اَور محفوظ جگہ کی ضرورت تھی ۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا ۔ بیے کا ایک گھونسلا نظر پڑا ۔ دَرخت کی پتلی پتلی شاخوں میں لٹکے ہُوئے گھونسلے میں بیٹھے نَر اَور مادہ مَوسمِ برسات کا لُطف اُٹھا رہے تھے ۔ سانپ اُن کے گھونسلے تک جا پہنچا ۔ بیے اِس کالی بَلا کو دیکھتے ہی اُڑ گئے ۔ وُہ جھٹ سے اُن کے گھونسلے میں جا گھسا ۔

بیے کا گھونسلا پھُونس اَور پتّوں ہی کا تو ہوتا ہے ۔ اِس میں بوجھ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی ۔ سانپ کے اَندر گھُستے ہی گھونسلا ٹوٹ

ار ناگ میاں گھونسلے سمیت پانی میں آ گرے۔ جھٹ سے گھونسلا چھوڑا اور نی میں تیرتے کسی اونچی جگہ کی تلاش میں چل نکلے۔ قریب ہی ایک ٹیلا ظر پڑا، سیدھے وہاں جا پہنچے۔ ٹیلے پر چڑھے، اِدھر اُدھر کھڑے ہو ر دیکھا۔ ایک بل نظر آیا، اُس میں جا گھسے۔ یہ بل ننھی ننھی، کالی یونٹیوں کا گھر تھا۔ وہ اُس کی مالک تھیں۔ سانپ کو دیکھ کر گھبرائیں، ٹ سے بل میں گئیں اور اپنی ملکہ کو اطلاع دی کہ ایک خطرناک دشمن مارے گھر اور ٹیلے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی ملکہ ے اپنی فوج کو حکم دیا کہ دشمن کو مارو اور بھگا دو۔ ہم اپنا گھر، اپنا لا کسی صورت میں بھی غیروں کے قبضے میں نہیں دیکھ سکتے۔

بارش تھم چکی تھی۔ حکم ملتے ہی چیونٹیوں کی ایک فوج بل سے باہر ل آئی اور ناگ کی طرف بڑھی۔ ناگ بھی کھڑا ہو کر جھومنے لگا۔ جوں ہی یونٹیوں کی فوج قریب آئی، ناگ پھنکارا۔ چیونٹیاں اڑ کر دور جا گریں۔ ناگ نسا، "بس اسی برتے پر آئی تھیں! ــــ ذرا ذرا سی جانیں اور پھن والے ل سے مقابلہ؟ ــــ ابھی اپنا بل چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔ نہیں تو ایک کو بھی دہ نہیں چھوڑوں گا"۔

ناگ اپنے دل میں خوش تھا کہ پالا مار لیا، اب یہ ٹیلا ہمارا ہے۔ ی جگہ ہماری ہی شان کے شایاں ہے۔ اب ہم ہی یہاں رہیں گے۔

اُدھر چیونٹیوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اپنے گھر پر دشمن کا قبضہ کسی ورت میں نہ ہونے دیں گی۔ وہ بار بار ناگ پر حملہ کرتیں اور اُس کی ھنکار سے دور جا پڑتیں، مگر کسی قیمت پر ہمت ہارنے کو تیار نہ تھیں۔

ملکہ نے جب پہلے دستے کو بے اثر دیکھا، تو اُس نے اپنی تازہ دم ج کو ناگ کے پیچھے کی طرف سے حملے کا حکم دیا۔ یہ فوج ناگ کے چھے آ کر کھڑی ہو گئی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ چیونٹیوں کی سامنے ی صف بھی آگے بڑھی اور ناگ کے قریب آ پہنچی۔

اب وہ ہر طرف سے گھر چکا تھا۔ وہ سخت غصے میں پیچ و تاب کھا

رہا تھا - وُہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اِن کالی بلاؤں سے کیونکر نجات حاصل کرے ـــــ کہ چیونٹیوں کی پچھلی صف نے حملہ کر دیا اور ایک دلیر چیونٹی نے ناگ کی دُم میں کاٹا - ناگ نے دُم کو زمین پر پٹخا، مگر چیونٹی نے دُم نہ چھوڑی -

چیونٹیوں کی سامنے والی صف نے یہ حال دیکھا، تو وُہ بھی دوڑ کر حملہ آور ہُوئیں اور سینکڑوں چیونٹیاں ناگ سے اِس طرح چمٹ گئیں کہ انھیں جسم سے الگ کرنا ناگ کے لیے مُمکن نہ تھا -

اِدھر ملکہ نے اپنی سب سے تیز رفتار بھوری چیونٹیوں کو حملے کا حکم دیا - یہ بھوری فوج بڑی نڈر اور تیز رفتار تھی - یک دم دوڑی اور ناگ کے سر تک جا پہنچی اور اُس کے سارے جسم پر چمٹ گئی - بہت سی نڈر چیونٹیاں اُس کی آنکھوں میں جا گھُسیں -

اب اُس کے جسم کا کوئی حصّہ ایسا نہ تھا، جو چیونٹیوں کے مُنہ میں نہ ہو - وُہ ناگ کا خُون چُوس رہی تھیں - ناگ کی ساری شیخی کِرکِری ہو چکی تھی - اُس نے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی، لیکن یہ بھی مُمکن نہ ہُوا -

اُدھر چیونٹیاں تھیں کہ اُس کے بدن میں گھُسی ہی چلی جاتی تھیں - وُہ کبھی دُم کو زمین پر پٹختا، کبھی سر کو اِدھر اُدھر مارتا - آخر زمین پر لوٹنے لگا ـــــ اِس طرح بہت سی چیونٹیاں زخمی بھی ہُوئیں، ـــــ لیکن ہزاروں لاکھوں میں سے اگر سینکڑوں زخمی بھی ہو جائیں، تو کیا فرق پڑتا ہے!

وُہ اپنے محاذ سے پیچھے نہ ہٹیں!

ناگ کا سارا جسم زخمی ہو چکا تھا - جگہ جگہ سے خُون رِس رہا تھا - چیونٹیاں اُس کی بوٹیاں نوچ رہی تھیں - وُہ سب کچھ بھول چکا تھا - اُسے بس ایک ہی فکر تھی کہ جان کس طرح بچائے ـــــ؟ کیونکر رہائی حاصل کرے ـــــ؟

اُدھر چیونٹیوں کی فوج میں دم بدم اضافہ ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ

ناگ کا سارا جِسم چیونٹیوں میں غائب ہو گیا اور وُہ بے دَم ہو کر زمین پر گِر گیا۔

اَب اُس کی طاقت جَواب دے چُکی تھی۔ چیونٹیوں نے اُس کا زَہر تک چُوس لیا تھا —— اُس کی پھنکار گلے میں اَٹک کر رہ گئی تھی —— آنکھوں کی چمک تاریکی میں تبدیل ہو چُکی تھی —— اور آخرکار وُہ موت کی آغوش میں جا سویا!

چیونٹیوں کی یک جہتی اور اَپنے گھر کے دِفاع کا یہ نظارہ جہاں بہُت وحشت ناک تھا، وہاں رُوح پَرور بھی تھا۔

دُشمن ہمیشہ بڑا بَن کر آتا ہے، مگر جب فریقِ مُقابل کی یک جہتی سے ٹکراتا ہے، تو پاش پاش ہو جاتا ہے۔

ناگ مَر گیا، مگر چیونٹیوں نے اُسے پھر بھی نہ چھوڑا۔ اَب وُہ اُسے اَپنی خُوراک بنانے کے لیے گھسیٹ کر بِل میں لے جانے لگیں۔ اِتنا بڑا ناگ اور ذرا ذرا سی جانیں! مگر آفرین ہے اُن کی یک جہتی اور اِتّحاد پر کہ سَب کی سَب چمٹ کر زور لگانے لگیں اور اُسے کھینچتی گھسیٹتی بالآخر اَپنے بِل میں لے ہی گئیں —— اَب وُہ بَرسات بھر اُس کا گوشت کھائیں گی اور اَپنی فتح مَندی کے گیت گائیں گی۔

---

## مَشق

ا۔ ا۔ گرمی کا جو نقشہ اِس سَبَق میں پیش کیا گیا ہے، اُسے اَپنے اَلفاظ میں لکھیے۔

ب۔ سانپ کی شَکل و صُورت بیان کیجیے۔

ج۔ سانپ نے فاختہ کے بچّوں سے کیا سُلوک کیا؟

د۔ بیے کا گھونسلا کیوں ٹُوٹ گیا؟

۲۔ سانپ اور چیونٹیوں کی لڑائی کا حال مختصراً بیان کیجیے۔
۳۔ مندرجۂ ذیل الفاظ کے معانی لکھیے:۔
گھُٹن ۔ بانبی ۔ اعتدال ۔ مگن ۔ تہیّہ ۔ نشیب ۔
۴۔ ان لفظوں کے مؤنّث لکھیے:۔
سانپ ۔ کُتّا ۔ بندر ۔ ناگ ۔
۵۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ کس نتیجے پر پہنچے ؟
۶۔ بات کرنے یا لکھنے والا بعض اوقات بات کی وضاحت کے لیے یا اُس پر زور دینے کے لیے ایک لفظ کو دو بار استعمال کرتا ہے، جیسے ننّھی ننّھی آنکھیں، کالی کالی گھٹا ۔ اس قسم کے دس الفاظ اپنی کاپی میں لکھیے۔
۷۔ "اسلم لائق ہے"۔ یہ ایک جملہ ہے، جو پورا پورا مطلب بیان کرتا ہے۔ اس جملے میں اسلم کے متعلّق بتایا گیا ہے کہ وہ لائق ہے۔ گویا اُس کا لائق ہونا ایک "خبر" ہے اور اسلم، جس کے متعلّق کچھ بتایا گیا ہے، اُسے "مبتدا" کہتے ہیں۔ اور "ہے" وہ کلمہ ہے، جو ربط قائم کرنے کے لیے ہے، اسے "حرفِ ربط" کہتے ہیں یا "فعلِ ناقص"۔

قواعد میں اس جملے کی تشریح یوں ہوگی:۔

اسلم ——— مبتدا
لائق ——— خبر
ہے ——— فعلِ ناقص

ان اجزا کے ملنے سے جو جملہ بنتا ہے، اُسے "جملۂ اسمیہ" کہتے ہیں۔

آپ اسی طرح کے چار اسمیہ جملے لکھ کر اُن کی وضاحت کریں۔

---

# ۳۱۔ پاکستان ہمارا ہے

پاکستان کے خادم ہیں ہم، پاکستان ہمارا ہے
پاکستان ہے حق کی امانت، حق کا یہ گہوارا ہے
جان اِس کے لیے دے دیں گے ہم یہ جان سے ہم کو پیارا ہے
پاکستان کے خادِم ہیں ہم، پاکستان ہمارا ہے

تَن مَن دھن جو کچھ بھی ہے اپنا، قوم و وطن پہ نثار کرو
دُشمنی بھولے دُشمن بھی، دُشمن پہ ایسا وار کرو
قول ہے کیا، تُم اپنے عمل سے پیہم یہ اظہار کرو
پاکستان کے خادِم ہیں ہم، پاکستان ہمارا ہے

پاکستان کے بھائی بہنو! قربانی کی ساعت ہے
کام کرو، اب کام کرو، آرام کی کِس کو فرصت ہے
جلتی آگ میں کُود پڑے گا جس کے دِل میں غیرت ہے
پاکستان کے عاشق ہیں ہم، پاکستان ہمارا ہے

دشت وجبل کے جانبازو! ہوں اہلِ وطن تُم پر قُربان
ارض وسما کے شاہینو! ہوں اہلِ وطن تُم پر قُربان
بحرِ عرب کے تیراکو! ہوں اہلِ وطن تُم پر قُربان
پاکستاں کے مُجاہد ہو تُم، پاکستان تمھارا ہے۔

(میاں بشیر احمد)

# مَشق

۱ — اِس نظم کو پڑھ کر آپ کے دل میں جو جذبہ پیدا ہوتا ہے، اُس پر ایک پیرا لکھیے۔

۲ — جُملے بنائیے :—

تَن مَن دَھن نثار کرنا — جلتی آگ میں کُود پڑنا — جان دینا۔

۳ — اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کیجیے :—

وطن — عمل — جبل — پیہم — اظہار — ساعت — ارض و سما۔

۴ — دُوسرے بند کی تشریح کیجیے۔

۵ — تیسرے بند کی نثر بنائیے۔

۶ — خالی جگہیں پُر کیجیے :—

پاکستان ہے حق کی امانت ـــــ کا یہ گہوارہ ہے
تَن مَن دَھن جو کُچھ بھی ہے اپنا، قوم و وطن پہ ـــــ کرو
جلتی ـــــ میں کُود پڑے گا، جس کے دل میں غیرت ہے
ـــــــــــ کے تیراکو! ہوں اہلِ وطن تم پر قُربان

---

# ۳۲ ۔ بددیانتی کا انجام

پرانے زمانے میں مدین تجارتی لحاظ سے بڑا اہم شہر تھا۔ شام اور مصر کو جانے والے تجارتی قافلے اس شہر سے گزرتے تھے۔ اہلِ مدین ان قافلوں سے لین دین کرتے اور گھر بیٹھے وسیع پیمانے پر کاروبار چلاتے تھے۔ اس طرح انھیں محنت و مشقت کیے بغیر کثیر منافع مل جاتا تھا لیکن وہ اس پر قانع نہ ہوئے اور زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی ہوس میں مبتلا ہو گئے۔ وہ نہ صرف سودا بہت مہنگے داموں بیچتے، بلکہ ناپ تول میں بھی کمی بیشی کرنے لگے۔ خریدنے کے لیے بڑے اور فروخت کے لیے چھوٹے باٹ اور پیمانے بنا رکھے تھے۔ وزن کرتے وقت کم بھی تولتے تھے اور اس طرح کئی گنا منافع کماتے تھے۔

ان کی بددیانتی کا یہ عالم تھا کہ سودا کرتے وقت گاہک کو اچھا مال دکھاتے، لیکن بعد میں ناقص مال کی ملاوٹ کر دیتے۔ امانت میں خیانت سے بھی نہ چوکتے اور اچھی چیزوں کو ناقص چیزوں میں بدل دیتے تھے۔ حساب کتاب میں کمی بیشی کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ہوسِ زر نے انھیں اندھا کر رکھا تھا۔ ان کے دلوں میں غریبوں کی ہمدردی کا شائبہ تک نہ تھا۔ خدا کا خوف تھا نہ مخلوق کی شرم! وہ کھلے بندوں ان تمام جرائم کا ارتکاب کرتے اور اپنی مہارت پر فخر کرتے تھے۔

آخر اسی قوم کے ایک نیک اور پاکباز انسان حضرتِ شعیب، علیہ السلام، نے اہلِ مدین کی اصلاح کا عزم کیا اور انھیں تلقین کی کہ وہ تجارت میں دیانتداری سے کام لیں اور مسافروں اور غریبوں سے نیک برتاؤ کریں، مگر ان لوگوں پر حضرتِ شعیب، علیہ السلام، کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا —— مال و زر کی ہوس نے ان کے دلوں اور کانوں پر تالے لگا رکھے تھے!

رفتہ رفتہ اہلِ مدین کی بد دیانتی مشہور ہو گئی ۔ اس شہر سے گزرنے والے مسافر اپنی ضرورت کا سامان اپنے ساتھ لے کر چلنے لگے تاکہ مدین سے کوئی چیز خریدنی ہی نہ پڑے ۔ قافلوں نے اُن سے لین دین بہت کم کر دیا۔ حتیٰ کہ اُن کی تجارت کا بازار سرد پڑنے لگا ۔ اس پر بھی اُن کی آنکھیں نہ کھلیں اور اپنی اصلاح کرنے کے بجائے وُہ حضرتِ شعیبؑ کے دشمن ہوگئے ۔ اُنھوں نے آپؑ سے کہا :

"تم نے ہمیں بدنام اور رُسوا کر دیا ہے ، اور قافلے والوں کو بدظن کر کے ہمارا کاروبار تباہ کر دیا ہے"۔

حضرتِ شعیب ، علیہِ السّلام ، نے اُنھیں سمجھایا کہ

"یہ تمھارے اپنے کیے کی سزا ہے ۔ اگر تم راستبازی اختیار کرتے اور دیانتداری سے کام لیتے ، تو تمھارا کاروبار تباہ نہ ہوتا ۔ اب بھی تم بدکاریوں سے پرہیز کرو ، اللہ کا حکم مانو ، لین دین میں ایمانداری سے کام لو ، تو خدا تمھارے رزق میں فراخی کر دے گا اور تمھاری تجارت پھر سے چمک اُٹھے گی"۔

آپؑ کی نصیحت سُن کر وُہ لوگ اور بھی برانگیختہ ہُوئے اور جل بھُن کر کہنے لگے :

"ہاں ! تم بہت عقلمند ہو ۔ بڑے دیندار ہو ۔ اگر ہم بھی تمھاری طرح بن جائیں ، تو کھائیں کہاں سے ؟ تجارت میں دیانت کا کیا کام ؟ تمھارے کہنے پر چلے ، تو پوری قوم مُفلس و قلاش ہو جائے"۔

حضرتِ شعیب ، علیہِ السّلام ، اہلِ مدین کے اس تلخ جواب سے مایوس نہ ہُوئے اور بدستور اُنھیں نیکی کی تلقین کرتے رہے ، لیکن بددیانت تاجر اِسے برداشت نہ کر سکے ۔ اُنھوں نے اپنے سرداروں سے کہا کہ شعیبؑ کو بستی سے باہر نکال دیا جائے یا اُن پر پابندی لگا دی جائے کہ وُہ ہمارے تجارتی معاملات میں دخل نہ دیں ۔

قوم کے سرداروں نے حضرتِ شعیبؑ سے کہا کہ اگر تم تبلیغ سے باز نہ

آئے، تو تمھیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

حضرتؑ نے فرمایا:۔

"نادانو! مَیں تمھیں نیکی اور بھلائی کی طرف بُلاتا ہُوں اور تُم کو خُدا کا یہ پیغام سُناتا ہُوں کہ ناپ تول پُورا پُورا کیا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں اَدل بَدل نہ کیا کرو۔ اگر تُم نے اپنا چلَن نہ بَدلا، تو قومِ عاد و ثمُود کی طرح خُدا کا عَذاب تُم پر نازِل ہوگا۔ تُم سے پہلے بھی بہُت سی قومیں اسی لیے تباہ ہو گئیں کہ اُنھوں نے خُدا کے حُکم سے رُوگردانی کی تھی، بندوں کے حُقُوق غصَب کیے تھے اور اِصلاح کرنے والوں پر ظُلم و سِتَم ڈھائے تھے"۔

بَددِیانت تاجروں کی بَدبختی اِنتہا کو پُہنچ چُکی تھی۔ وُہ عاد و ثمُود کے ساتھ پیش آنے والے عبرت ناک واقعات کو قِصّے کہانیاں سَمجھتے تھے۔ عَذاب کی وَعید سُن کر وُہ حضرتِ شُعَیب، عَلَیہِ السّلام، پر آوازے کسنے لگے اور حضرتِ شُعَیبؑ اُن سے آزُردہ ہو کر وہاں سے چَل دیے۔

آخر اَہلِ مَدیَن نے تہیّہ کر لیا کہ اس پاکباز اِنسان کا کام تمام کر دیں، جو اُنھیں غلَط کاریوں پر ٹوکتا اور خیانَت سے روکتا تھا۔ سب نے اِکٹھے ہو کر حضرتِ شُعَیب، عَلَیہِ السّلام، کا مکان گھیرے میں لے لیا۔ دَروازہ بَند تھا۔ اُسے توڑنے کے لیے کئی کُلھاڑے بیک وَقت بُلند ہُوئے ——— دَروازے پر پہلی ہی چوٹ پڑی تھی کہ ایک خوفناک دھماکا ہُوا ——— ایک زبردست جھٹکے سے زمین ہِل گئی ——— حملہ آور مُنہ کے بَل زمین پر آ رہے ——— دُھوئیں کے گہرے بادلوں نے پُوری بَستی کو لپیٹ میں لے لیا ——— پہاڑ سے گرم لاوے کا سَیلاب اژدَہے کی طرح پھُنکارتا ہُوا نِکلا اور چشم زَدَن میں شہر کو نِگل گیا ——— سوائے اُن چند گھروں کے، جہاں اللہ والوں نے پناہ لے رکھّی تھی، صُبح ہونے تک بَستی اور بَستی والوں کا نام و نِشان تک نہ رہا!

حضرتِ شُعَیب، عَلَیہِ السّلام، کی طرح خُدا کے ہر پَیغمبر نے مُعاشرے کی اِصلاح کرنے کی کوشش کی۔ لوگوں کو نیک عادات اور پسندیدہ اَعمال اپنانے کا

درس دیا اور زمین میں فساد اور خرابی پیدا کرنے سے روکا۔ جن لوگوں نے خدا کا پیغام دل سے سُنا، وہ دُنیا میں بھی نیک نام ہوئے اور عاقبت میں بھی اللہ کے انعامات کے مستحق ٹھہرے، لیکن جن بدبختوں نے خدائی ہدایت سے مُنہ موڑ لیا، وہ عذاب الٰہی کا شکار ہوئے۔

ناپ تول میں کمی اور لین دین میں بد دیانتی ایک ہی بُرائی نہیں، بلکہ یہ کئی بُرائیوں کا مجموعہ ہے۔ بد دیانت تاجر کی حرص اُسے دھوکا دینے کے طریقے سکھاتی ہے۔ وہ دُوسروں کا حق مارنے کے باعث غصب کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔ گاہک کے مال سے کچھ حصّہ دبانے کی بنا پر بدعہدی کا اور معاہدے کی خلاف ورزی کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔

ناپ تول میں کمی اور مال میں ملاوٹ گناہ بھی ہے اور جُرم بھی۔ گناہ اس طرح کہ ایسا آدمی اللہ اور رسولؐ کے احکام کو پس پُشت ڈال کر قرآن اور سُنّت کا عملاً انکار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مُلکی قانون کی خلاف ورزی کر کے مُجرم بھی قرار پاتا ہے۔ اُسے احساس نہیں ہوتا کہ کبھی نہ کبھی وہ قانون کی گرفت میں آ کر رہے گا۔

کھانے پینے کی اشیا میں ملاوٹ کرنے والا ہزاروں انسانی زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ مریض کو ملاوٹ والی دوائی دی جائے، تو مرض کے بڑھنے، بلکہ موت واقع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ ایسی ملاوٹ کرنے والا کسی عادی قاتل سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتا ہے، اس لیے کہ عام قاتل کے جُرم کا دائرہ محدود ہے۔ اُس کے فعل سے چند جانیں تلف ہوتی ہیں، —— لیکن ملاوٹ کرنے والا تو پوری قوم کو موت کے کنارے لا کھڑا کرتا ہے اور ستم یہ ہے کہ وہ خود معاشرے میں بدستور شامل رہتا ہے، —— بلکہ دولتمندی کی وجہ سے بعض اوقات دُنیاوی عزّت بھی حاصل کر لیتا ہے، —— لیکن خدا کی نظر سے تو کچھ پوشیدہ نہیں۔ اُس کا عذاب شدید اور اُس کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کا یہ دینی فریضہ ہے کہ اس معاشرتی بُرائی

کے خلاف جدّ و جہد کرے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ ——— پہلے ہم خود دیانت دار بنیں!

جس طرح ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا حق نہیں ملتا رہے اور دُوسرے ہماری حق تلفی نہ کریں، اسی طرح لازم ہے کہ ہم دُوسروں کے حقوق کو پُورا کرنے میں بھی ویسی ہی سعی کریں۔

---

# مَشق

۱۔ ا۔ اہلِ مدین میں کون کون سی بُرائیاں تھیں؟

ب۔ اہلِ مدین کی اصلاح کا بیڑا کس نے اُٹھایا اور انھیں کیا تلقین کی؟

ج۔ اہلِ مدین کو بددیانتی کی کیا سزا ملی؟

۲۔ جملے مکمّل کیجیے:۔

ا۔ ناپ تول میں کمی اور لین دین میں بددیانتی ایک بُرائی نہیں ....... کئی بُرائیوں کا مجموعہ ہے۔

ب۔ بددیانت تاجر جائز اور معقول منافع پر .......... نہیں کرتا۔

ج۔ بددیانت کی حرص اُسے .......... دینے کے طریقے سکھاتی ہے۔

د۔ یہ بددیانتی سے دُوسروں کا .......... مارتا ہے۔

ہ۔ ناپ تول میں کمی اور مال میں ملاوٹ .......... بھی ہے اور .......... بھی۔

۳۔ جملوں میں استعمال کیجیے:۔

کمی بیشی ۔ مال و زر ۔ چشم زدن ۔ فریضہ ۔

۴۔ اعراب لگا کر تلفّظ واضح کریں:۔

اقتدار ۔ خواہش ۔ اصلاح ۔ تبلیغ ۔ متعلق ۔

۵۔ موزوں جملوں میں استعمال کیجیے :۔

حتّٰی کہ ۔ لیکن ۔ تاکہ ۔ تو ۔ سوا

۶۔ "لین دین" ۔ "ناپ تول" ۔ "اَدل بَدل" مُرکّبات ہیں، جو دو دو لفظوں سے مل کر بنتے ہیں ۔ ان میں پہلا لفظ معنوں کے لحاظ سے دُوسرے کے ماتحت ہوتا ہے، اس لیے اسے "تابع" اور دُوسرے کو "مَتبُوع" کہتے ہیں ۔ ہم اپنی گُفتگُو میں ایسے اَلفاظ (مُرکّبات) اکثر استعمال کرتے ہیں، مثلاً :

بھاگ دَوڑ ۔ سچ مُچ ۔ اُلٹ پھیر ۔ جان پہچان وغیرہ ۔

ایسے ہی دس مُرکّبات کی فہرست بنائیے ۔

۷۔ مُندرجۂ ذیل عبارت کو دوبارہ لکھیے اور مُناسب جگہوں پر ضرُوری اوقاف کی علامات لگائیے :۔

"مروان کی بیٹی نے یہ سُنتے ہی قہقہہ لگایا اور کہا بہن آپے سے باہر نہ ہو میری بدسلُوکی پر خُدا نے مجھے جو سزائیں دیں اُن میں سے کون سی سزا تمھیں پسند ہے کہ میری ہی بدسلُوکی کو دُہرا رہی ہو یہ بالکل سچ ہے کہ میں نے تمھارے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا تھا اُس کی سزا بُھگت رہی ہُوں تُم لوگوں نے اُس وقت صبر کیا صلہ یہ ملا کہ خُدا نے تمھیں حکمران بنا دیا اور میں تمھارے سامنے عاجز و خوار کھڑی ہُوں کیا اب میری طرح تُم بھی خُدا کی نعمت کو ٹھکرا دینا چاہتی ہو"

# ۳۴ ۔ دُشمن ہوا باز

دُنیا سو رہی تھی اور شیطان اپنے مکر و فریب کا جال بُن رہا تھا ۔ رات کی تاریکی اُس کی سیاہ کاریوں کے لیے پردہ تھی ۔ وہ طلوعِ سحر سے پہلے پہلے کسی بڑے منصوبے کو بروئے کار لانا چاہتا تھا ۔ رات چلتے چلتے پچھلے پہر میں داخل ہو گئی ۔ بے شمار مسلّح فوجیں اُٹھیں ، آہستہ آہستہ بڑھیں اور چوروں کی طرح پاکستان کی سرزمین میں داخل ہو گئیں ۔ ٹینک آگ اُگلنے لگے ، توپیں گولے داغنے لگیں ، بندوقیں گولیاں برسانے لگیں ۔ سوئے ہوئے نہتّے دیہاتی ہڑبڑا کر اُٹھے ۔ گھر بار چھوڑ کر بھاگے ۔ لاہور کو پناہ گاہ تصوّر کرتے ہوئے سب نے اُدھر ہی کا رُخ کیا ۔

پاکستان کی سرحدوں کے محافظوں نے حملہ آوروں کو روکا ۔ لڑائی چھڑ گئی اور صُبح ہونے تک سارے پاکستان میں جنگ کا شور مچ گیا ۔ گھمسان کا رَن پڑا ۔ یہ چھے ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح تھی ۔ بھارتی جنگی طیّارے ہمارے نہتّے شہریوں ، بے خبر دیہاتیوں پر بموں کا مینہ برسانے لگے ۔ پاکستان کے شہبازوں نے بھی جوابی کارروائی شروع کی اور جنگ کی ہولناکیاں زمین اور فضا پر مسلّط ہو گئیں ۔

اسی دَوران میں ایک بھارتی طیّارہ ایک پہاڑی کے دامن میں گرا ۔ اس علاقے میں درختوں کی کثرت تھی ۔ گھاس نے زمین پر زمرّد کا فرش بچھا رکھا تھا ۔ آبادی بہت کم تھی ۔ زمین کی اُونچی نیچی سطح پر کہیں کہیں کوئی جھونپڑی یا کچّا مکان دکھائی دے جاتا تھا ۔

بھارتی طیّارے کے ہوا باز نے جہاز میں سے شعلے نکلتے ہوئے دیکھے ، تو اپنے بچاؤ کے لیے نیچے چھلانگ لگا دی ، مگر پیراشوٹ ٹھیک سے کُھل نہ سکا اور وہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا اُس پہاڑی کے دامن میں ایک جھاڑی

کے قریب آ گرا۔ اُس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور ایک بازو بھی بیکار ہو گیا تھا۔ وہ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

طیّارہ اُس سے کچھ فاصلے پر گرا اور جل کر خاکِ سیاہ ہو گیا۔ طیّارہ گرنے سے زوردار دھماکا ہُوا اور جنگل کی خاموشی ٹُوٹ گئی قریب کے ایک مکان کی پُرانی دیواریں گر گئیں۔ یہ مکان ایک غریب کسان کا تھا۔ اُس کے بیوی بچّے گھبرا گئے۔ بیوی نے کہا: "ہائے اللہ! —— یہ کیا ہُوا؟ کیا جنگ اِس ویرانے میں بھی پُہنچ گئی؟"

کسان نے بیوی کو تسلّی دیتے ہُوئے کہا: "اگر مَوت آ گئی ہے، تو بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ —— آؤ، دیکھیں تو سہی کہ آخر ہُوا کیا ہے؟ اور کہاں ہُوا؟"

غرض، وہ میاں بیوی اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ اُس آواز کے رُخ پر چلے اور تھوڑی ہی دیر میں اُس جلتے ہُوئے طیّارے تک پُہنچ گئے۔

"اتنا بڑا طیّارہ اور جلا ہُوا —— !" کسان نے قریباً چیختے ہُوئے کہا، "بس، یُوں سمجھو کہ یہ بھی دُشمن کی لاش ہی ہے۔ ہمارے شہبازوں نے اسے مار گرایا ہو گا۔" اُس نے بات جاری رکھتے ہُوئے کہا۔ پھر اُس نے گویا چِلّا کر کہا —— "مگر دُشمن ہوا باز کہاں گیا؟"

بیوی نے کہا "جل گیا ہو گا کم بخت —— ظالم نے ظُلم کا بدلہ پا لیا —— وہاں تو جلنا ہی تھا، یہاں بھی جل کر ہی مرا!"

میاں نے کہا "طیّارے کے اندر جلتا، تو کم سے کم جلی ہُوئی لاش تو دکھائی دیتی، یہاں تو ہڈّی تک کا نام و نشان نہیں —— میرا خیال ہے، وہ جلا نہیں ہو گا، شاید مرا بھی نہ ہو، ضرُور کہیں کُود گیا ہو گا —— یہ ہوا باز چھتری جیسی ایک چیز کے ذریعے ضرورت کے وقت چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں! آؤ، ذرا اِدھر اُدھر دیکھیں تو سہی۔"

تینوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا بھالنا شروع کیا۔ ایک جھاڑی کے قریب سے گزرے، تو کسی کے کراہنے کی آواز سُنائی دی۔ آواز کے رُخ پر چلے، تو

کچھ ہی فاصلے پر ہواباز کو اوندھے مُنہ پڑا ہُوا پایا۔
"زندہ ہے ظالم! ——— تڑپ تڑپ کر مرے گا ——— م
دُشمن کو! ——— آؤ، گھر چلیں اور گری ہُوئی دیوار کو ٹھیک کریں
نے کہا، لیکن ابھی قدم اُٹھنے نہ پائے تھے کہ وُہ سوچ میں پڑ گیا۔
سینے میں ایک مُسلمان کا دِل تھا، جو چُپکے چُپکے اُس سے کہ رہا تھا:
یہ دُشمن تو ہے، مگر اس وقت بے بس ہے۔ مرتے کو مارنا یا مرنے دینا مُ
شان کے خلاف ہے ——— اور ہمیں تو دُشمن پر بھی رحم کرنے کا حُکم ہے۔
کا احترام تو بہرحال لازم ہے۔ انسان ——— انسان کا دوست بھی ہوتا ہے او
بھی ——— مگر انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس بے بسی کی حالت میں
کی مدد کی جائے۔ اس کی زندگی کو بچانے کی کوشش کی جائے ——— ا
تو دوست اور دُشمن میں تمیز نہیں کرتی۔ اس وقت اس دُشمن کی خدمت
انسانیت کی خدمت کرنا ہے ——— اور میرا مذہب مجھے یہی سکھاتا ہ

اتنے میں کسان کے بیٹے نے کہا ——— "اس دُشمن کی موت پر
ایسی خوشی ہونی چاہیے، جیسی اس جلے ہُوئے جہاز کو دیکھ کر ہو رہی
——— پڑا رہے یہیں مُردار، گیدڑ اور بھیڑیے اس کی لاش کو چیریں، تو
بھنبھوڑیں اور مزے اُڑائیں ———!"

وُہ یہ کہ ہی رہا تھا کہ باپ نے ایک بدلے ہُوئے لہجے میں کہا۔
"یہ دُشمن ہے، مگر انسان بھی تو ہے ——— اس وقت اس کی حالت تو
دیکھو، اس وقت یہ دُشمن ہے نہ کچھ اور ——— صرف ایک اَدھ مُوا انسا
ہے ——— کیا تُم نے رحم دِل آدمی اور کُتّے والی حکایت نہیں سُنی ؟"

بیٹے نے کہا: "آپ سُنا دیں نا ہمیں!"

باپ نے کہا ——— "ایک شخص جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اُس کی
نظر ایک کُتّے پر پڑی، جو کُنوئیں کے کنارے پر پڑا ہُوا تھا۔ پیاس کے
مارے زبان مُنہ سے نکلی ہُوئی تھی۔ راہگیر کو اُس پر رحم آیا، مگر کُنوئیں
میں سے پانی نکالنے کے لیے وہاں ڈول نہ تھا اور نہ رسّی ہی تھی۔ اُس

نے اَپنے سَر سے پگڑی اُتاری ۔ اَپنی کُلاہ کو ڈول بَنا کر اُس سے باندھا، کُنویں میں ڈالا، پانی نکالا اَور کُتّے کے آگے رکھ دِیا ۔ کُتّے نے پانی پیا، تو اس میں زِندگی کی لَہَر دَوڑ گئی ۔ وُہ اُٹھا اَور دُم ہِلا ہِلا کر گویا اَپنے مُحسِن کا شُکریَہ اَدا کرنے لگا ـــــ تو کیا ہم اِس اِنسان کو کُتّے سے بھی کم تر خیال کریں اَور اُسے سِسکتا ہُوا چھوڑ دیں ؟ اس وَقت اِنسانیّت کی خِدمَت کر کے اَللہ تعالیٰ کی خُوشنودی حاصِل کرنی چاہیے"۔

کِسان کی بیوی اَور بیٹے پر ان باتوں کا اَثَر ہُوا ۔تینوں نے اُس نیم مُردہ دُشمَن ہَوا باز کو اُٹھایا اَور بڑی مُشکِل سے اَپنے گھَر تک لے آئے ۔ چند قطرے پانی کے اُس کے حَلق میں ٹپکائے، تو اُس نے آنکھیں کھول دِیں ۔ بیوی نے جَلدی سے چائے کی پیالی تیّار کر کے اُسے پِلائی ۔ وُہ اُس نے جُوں توُں پی لی، مَگر پھر بے سُدھ ہو کر لیٹ گیا ۔

کِسان نے اَپنی بیوی سے کہا ـــــ "ہماری فَوج یا پولیس گرے ہُوئے طیّارے کو دیکھنے ضُرور آئے گی ۔ ہَوا باز کو وہاں نہ پایا، تو اُس کے کھوج میں لگ جائے گی ۔ ہم اِنسانیّت کی خِدمَت کے لِیے اِسے یہاں لے آئے ہیں، مگر کہیں پکڑے ہی نہ جائیں !"

بیوی نے کہا ـــــ "واہ ! اِس میں ڈرنے کی کیا بات ہے ؟ ـــــ ہمارے فَوجی اَور پولیس والے بھی تو مُسلمان ہیں ۔ وُہ بھی اِسی اِسلامی مُلک کے رہنے والے ہیں اَور اِنسانیّت کا اِحتِرام اُن کے دِلوں میں ہماری نِسبَت کُچھ زِیادہ ہی ہوگا"۔

مِیاں بیوی میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ پولیس وہاں پہُنچ گئی ـــــ طیّارہ جَلا ہُوا تھا، مگر ہُوا باز کا کہیں پَتا نہ تھا ـــــ تلاش کرتے کرتے وُہ لوگ جَلد ہی کِسان کے گھَر تک پہُنچ گئے ۔

اُنھوں نے کِسان سے پُوچھا ـــــ "یہاں دُشمَن کا کوئی آدمی تو نہیں آیا؟ ایک دُشمَن ہَوا باز کہیں چھُپ گیا ہے"۔

کِسان نے جَواب دِیا ـــــ "وُہ خُود کہیں نہیں چھُپا، وُہ میرے گھَر کے

اَندر بے ہوش پڑا ہے۔ ہم اُسے اُٹھا کر یہاں لے آئے ہیں"۔
پولیس نے ہوا باز کو وہاں سے اُٹھا کر جیپ میں ڈالا اور ہسپتال پہنچا دِیا۔ وہاں ڈاکٹروں نے اُس کا فوری طور پر علاج شروع کر دِیا۔ اِس ہسپتال میں جنگ میں پکڑے جانے والے اور بھی بہت سے زخمی دُشمنوں کا علاج ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دُشمن ہوا باز کو ہوش آ گیا۔

اُس نے حیرانی سے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی۔ بہت سے زخمی بستروں پر پڑے کراہ رہے تھے۔ مسلمان نرسیں اور ڈاکٹر بڑی دِلسوزی اور محنت سے اُن کی دیکھ بھال میں مصروف تھے ـــــ گویا وُہ سب زخمی دُشمن نہیں، بلکہ اُن کے اپنے ہی عزیز ہیں!

وُہ حیران تھا کہ مسلمان عجیب قوم ہیں ـــــ میدانِ جنگ میں دُشمن اور ہسپتال میں غم خوار و غم گُسار!

اُس نے تو یہی کچھ سُنا اور سیکھا تھا کہ "مسلمانوں پر کبھی رحم نہ کرو۔ ہمسایہ مسلمانوں کو خُوب تنگ کرو ـــــ انھیں اِتنا کمزور کر دو کہ آزادی کا خیال بھی اُن کے ذہن میں باقی نہ رہے ـــــ اور ـــــ دُشمن کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے"۔

اُسے یاد تھا کہ ہندُو "کالی ماتا" کے قدموں میں دُوسرے مذاہب کے بے گناہ لوگوں کا خُون بہا کر دیوی کو خُوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وُہ اپنے سوا باقی سب کو اچھُوت سمجھتے ہیں۔

اُسے معلوم تھا کہ اُس کے مُلک نے پاکستان پر رات کے اندھیرے میں حملہ بھی اسی نیّت سے کیا تھا کہ پاکستانی مسلمانوں کا خُون بہایا جائے اور پُورے برِّصغیر پر اپنا تسلُّط قائم کر لیا جائے۔

وُہ دیر تک سوچتا رہا۔ اُسے حیرت تھی کہ مسلمانوں کے بارے میں اُسے جو کچھ بتایا گیا تھا، وُہ کِس قدر غلط تھا! ـــــ اُن کے حُسنِ سُلوک نے اُس کی آنکھوں پر پڑے ہُوئے تعصّب کے پردے کو چاک کر دِیا تھا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ دُشمن کا عالی ظرف ہونا بھی تو ممکن ہے، بشرطیکہ اِنسانیت کا اِحترام کرنا

جانتا
ے۔ وہ اسی اُدھیڑبن میں رہا۔ پھر اُس نے دیکھا کہ ہسپتال میں
تندرست عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کا ایک ہجوم سا جمع ہو گیا —— یہ
سب ن تھے، جو زخمیوں کے لیے خون کا عطیہ دینے آئے تھے۔ ان
کے جسم لیا گیا خون صرف مسلمان زخمیوں ہی کے لیے نہ تھا، بلکہ ہر
زخمی اُٹھ لیے تھا۔ اتنے میں ہندو زخمیوں کی آہیں اور کراہنے کی
آوازیں ہ۔ مسلمان ڈاکٹر اُنھیں دیکھ رہے تھے اور نرسیں اُن کو
دوائیں تیں۔ ٹیکے لگائے جا رہے تھے۔
مگر کو مسلمانوں کے رضاکارانہ دیے گئے، خون کی بوتلیں لگائی
جا رہی ۔ ساتھ ساتھ اُن کی دلجوئی بھی کی جا رہی تھی۔
اُن بعض کے چہروں پر وحشت کے آثار دیکھ کر بڑے ڈاکٹر
نے کہا۔ اِن کیوں ہو رہے ہو؟ بے شک تم میدانِ جنگ میں ہمارے
دشمن تھے میدانِ جنگ نہیں، ہسپتال ہے۔ یہاں تمھاری حیثیت
صرف مجبور اور بے وطن انسانوں کی ہے، اور انسانیت کا احترام ہمارے نزدیک
فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ ہم اپنے بھائی بہنوں کے خون سے تمھارے جسم کو
توانائی دیں گے"۔

اور آخر جنگ ختم ہو گئی۔ زخمی دشمن تندرست ہو چکے تھے۔ وہ اپنے وطن واپس چلے گئے۔ اُن کے ساتھ ہی وہ ہوا باز بھی اپنے وطن روانہ ہو گیا۔ یہ واقعہ برسوں پرانا ہو چکا، مگر احترامِ آدمیت کا جو نمونہ دشمن ہوا باز نے یہاں دیکھا تھا، اُس کی یاد شاید اب بھی اُس کے دل میں تازہ ہو!

---

## مشق

ا۔ ان سوالوں کے جواب دیجیے:۔

۱۔ دشمن نے ہوائی جہازوں سے حملہ کیوں کیا؟

ب ۔ بھارتی طیارہ کیسے اور کہاں گرا ؟
ج ۔ زخمی دشمن ہواباز کو دیکھ کر کسان کے دل میں کیا خیال پیدا ہوا ؟
د ۔ ہسپتال میں دشمن زخمیوں کا علاج کیسے کیا گیا ؟

۲ ۔ دشمن ہواباز کی کہانی مختصراً بیان کیجیے ۔

۳ ۔ ان الفاظ کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے :۔
طلوعِ سحر ۔ سیاہ کاری ۔ پناہ گاہ ۔ شہباز ۔ تسلط ۔

۴ ۔ جملوں میں استعمال کیجیے :۔
کارنامہ ۔ احترام ۔ کُلاہ ۔ بے سُدھ ۔

۵ ۔ ان کے متضاد لکھیے :۔
دشمن ۔ اپنا ۔ آسمان ۔ دھوپ ۔ خشکی ۔ آرام ۔

۶ ۔ "ور" لاحقے سے پانچ الفاظ بنائیے، جیسے جانور ۔

۷ ۔ "قاتل" اور "مقتول" کے معنوں پر غور کیجیے ۔ "قاتل" قتل کرنے والے کو کہتے ہیں، لہٰذا اس لفظ کو "اسمِ فاعل" کہتے ہیں ۔ اسی طرح "مقتول" وہ ہے، جسے قتل کیا گیا ہو، لہٰذا یہ لفظ "اسمِ مفعول" کہلاتا ہے ۔ اس کی چند اور مثالیں یہ ہیں :۔

| اسمِ فاعل | اسمِ مفعول |
| --- | --- |
| ظالم | مظلوم |
| جابر | مجبور |
| ساحر | مسحور |
| شاکر | مشکور |

اسمِ فاعل کے الفاظ اور بھی کئی اوزان پر ہوتے ہیں ۔ مثلاً سائل ۔ مجدد ۔ مجاہد وغیرہ ۔

# ۳۴۔ رُباعیات

"رُباعی" اُس مختصر نظم کو کہتے ہیں، جس میں صرف چار مصرعے ہوتے ہیں اور اُنھی میں اس کا مفہوم مکمّل ہو جاتا ہے۔ رُباعی کا پہلا، دُوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔ وَیسے تیسرا مصرع بھی اگر ہم قافیہ ہو، تو جائز ہے، لیکن عمُوماً یہ مصرع بے قافیہ ہی ہوتا ہے۔ چوتھا مصرع زوردار ہونا ضرُوری ہے، کیونکہ پہلے تینوں مصرعوں کا نچوڑ اسی میں پیش کیا جاتا ہے:۔

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہو گا؟
ہم کیا ہیں، جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کُچھ کہ ہُوا، ہُوا کرم سے تیرے
جو کُچھ ہو گا، تیرے کرم سے ہو گا
(ذوق)

ویراں ہے کوئی گھر، کہیں آبادی ہے
راحت سے کوئی اور کوئی فریادی ہے
اِک عشرت و غم کا ہے مُرقّع دُنیا
ماتم ہے کسی جا، تو کہیں شادی ہے
(انیس)

دُنیائے دَنی کو نقشِ فانی سمجھو
رُودادِ جہاں کو اِک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عُمرِ جاوِدانی سمجھو
(حالی)

کوشش میں ہے شرط ابتدا انساں سے
پھر چاہیے مانگنی دُعا یزداں سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا
پائی نہ نجات نوحؑ نے طوفاں سے!
(حالیؔ)

موسیٰؑ نے یہ کی عرض کہ اے بارِ خدا!
مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا؟
ارشاد ہُوا' بندہ ہمارا وہ ہے،
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ
(حالیؔ)

دولت نے کہا' مجھ سے ہے' عزّت ہے جہاں
فرمایا ہُنر نے، مَیں ہُوں عزّت کا نشاں
عزّت بولی، غلط ہے دونوں کا بیاں!
مَیں بھید ہُوں حق کا' جو ہے نیکی میں نہاں
(حالیؔ)

ہو علم اگر نصیب، تعلیم بھی کر
دولت جو ملے، تو اُس کو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے، جو عظمت تجھ کو
جو اہل ہیں اس کے اُن کی تعظیم بھی کر
(اکبرؔ)

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
بازو میں سکت نہیں تو عزّت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بے کار
مذہب جو نہیں تو آدمیّت بھی نہیں
(اکبر)

گُلشن میں صبا کو جُستجُو تیری ہے
بُلبُل کی زباں پہ گُفتگُو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھُول کو سُونگھتا ہُوں بُو تیری ہے
(انیس)

رُتبہ جسے دُنیا میں خدا دیتا ہے
وہ فروتنی کو دل میں جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
(انیس)

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھّا
افعالِ مضر سے کچھ نہ کرنا اچھّا
اکبر نے سنا ہے اہلِ غیرت سے یہی
جینا ذلّت سے ہو، تو مرنا اچھّا
(اکبر)

# مَشق

۱ ۔ اِن اَلفاظ و تراکیب کا مفہوم اپنی کاپی میں لکھیے :۔
فکرِ بیش و کم ، مُرقّع ، دستِ و بازو ، طوفانِ نوحؔ ، عظمت ، زور و زر ، سکت ۔
۲ ۔ اس سبق کی ہر رُباعی میں کوئی نہ کوئی اخلاقی نصیحت ہے ۔ آپ ان میں سے کوئی سی چار نصیحتوں کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے ۔
۳ ۔ آپ کو کون سی رُباعی سب سے زیادہ پسند آئی اور کیوں ؟
۴ ۔ وہ اَلفاظ، جو "کسی کام کو کرنے والا" کے معنی دیتے ہوں، اُنھیں "اِسمِ فاعل" کہتے ہیں ۔ مثلاً عامِل ، غمگسار وغیرہ ۔ آپ درجِ ذیل الفاظ میں سے اِسمِ فاعل چُن کر الگ لکھیے :۔
مُسافر ۔ رنجیدہ ۔ فریادی ۔ ماتم ۔ دانا ۔ خوف زدہ ۔ گوالا ۔ شرط ۔ تاجر ۔ چالاک ۔ تیراک ۔ دِل گرفتہ ۔ ابتدا ۔ فطری ۔ تھکاوٹ ۔ آفت ۔ تعلیم ۔ حملہ آور ۔ عالمگیر ۔
۵ ۔ آپ نے اِسمِ فاعل اور اِسمِ مفعول کی چند مثالیں اس سے پہلے پڑھی ہیں ۔ اُردو میں عربی کے اِسمِ مفعول زیادہ تر مفعول ہی کے وزن پر آتے ہیں ۔ جیسے مقبول، منظور، مشہور، مقروض وغیرہ، لیکن ان کے علاوہ اُردو میں فارسی کے اِسمِ فاعل اور اِسمِ مفعول بھی مستعمل ہیں ۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنوں پر غور کیجیے اور پھر اِسمِ فاعل اور اِسمِ مفعول کے الفاظ الگ الگ کیجیے :۔
دانا ۔ آئندہ ۔ نوشتۂ تقدیر ۔ خوش نویس ۔ خوشبو ۔ بدخواہ ۔ دیدہ ۔ شُنیدہ ۔ دابستہ ۔ دل گرفتہ ۔ غمگین ۔ غمناک ۔

# ۳۵ - خُطُوط

## غالؔب کے خُطُوط ــــ دوستوں کے نام

### (۱)

کیوں صاحب! رُوٹھے ہی رہوگے یا کبھی منوگے بھی؟ اور اگر کسی طرح نہیں مَنتے، تو رُوٹھنے کی وَجہ لِکھّو۔ مَیں اس تنہائی میں صِرف خطوں کے بھروسے جیتا ہُوں۔ یَعنی جس کا خَط آیا، مَیں نے جانا کہ وُہ تشریف لایا۔ خُدا کا اِحسان ہے کہ کوئی دِن ایسا نہیں ہوتا، جو اَطراف و جَوانب سے دو چار خَط نہ آ رہے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خَط لاتا ہے۔ ایک دو صُبح کو اور ایک دو شام کو۔ میری دِل لگی ہو جاتی ہے۔ اِن کے پڑھنے اور جواب لِکھنے میں وَقت گزر جاتا ہے۔ کیا سبَب، دَس بارہ دِن سے تمُھارا خَط نہیں آیا؟ یَعنی تُم نہیں آئے! خَط لِکھّو، صاحب! نہ لِکھنے کی وَجہ لِکھّو۔ آدھ آنے میں بُخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے، تو بیرنگ لِکھّو۔

غالب
سوموار، ۷ر دسمبر ۱۸۵۷ء

### (۲)

بھائی صاحب! مَیں بھی تمُھارا ہمدَرد ہو گیا، یَعنی منگل کے دِن، ۱۸ر رَبیعُ الاَوّل کو شام کے وَقت وُہ پھوپھی کہ مَیں نے بچپَن سے آج تک اُس کو ماں سمجھا تھا اور وُہ بھی مُجھ کو بیٹا سمجھتی تھی، مَر گئی۔ آپ کو مَعلُوم

رہے کہ پرسوں گویا میرے نو آدمی مرے ؛ تین پھوپھیاں، تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا ۔ یعنی اس مرحومہ کے ہونے سے میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں اور اس کے مرنے سے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج ایک بار مر گئے ۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ !

---

## خواجہ حسن نظامیؒ کا خط ——— اپنی بیٹی کے نام

حور خانم ! ذرا لینا ، اس خط کو جلدی سے پڑھ لو ۔ پھر تم کو کھیل سے فرصت نہ ملے گی اور میں اپنے کام میں لگ جاؤں گا ۔ بیٹی ! اگر میں سنوں کہ تم نے لکھنے میں ناغہ نہیں کیا ، تو جی کیسا باغ باغ ہو ! مگر یہ اُمید کہاں ہے ! جب تک میں تقاضا نہ کروں ، تم کب خیال کرتی ہو —! پڑھو ، تو اپنے شوق سے پڑھو ۔ لکھو ، تو اپنے شوق سے لکھو ۔ اب تم بارہ برس کی ہوئیں ۔ وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ تم پرائے گھر کی ہوگی ۔ کچھ لیاقت نہ ہوئی ، تو ناک کٹ جائے گی ۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لکھنے پڑھنے والے باپ کی اکلوتی بیٹی ، اور قابلیت خاک نہیں ۔ میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا ، جی تمھارا جلے گا ، اس لیے جہاں تک ہو سکے ، ہر وقت سینے پرونے ، کھانے پکانے ، لکھنے پڑھنے میں دھیان رکھو ۔ کھیل تماشے کا زمانہ ختم ہوا ۔ اب اور وقت آ رہا ہے ۔ اری بنّو ! ذرا سمجھو تو سہی ، میں نے کیا کہا —! اس میں میری غرض کچھ نہیں ہے ۔ جو ہے ، تیرے فائدے کی بات ہے ۔ سب کو آداب و سلام ۔

تمھارا خیر خواہ باپ

حسن نظامی

---

# مولوی نذیر احمد کے خطوط ——— اپنے بیٹے کے نام

## (۱)

بشیر! خدا کے لیے اب پورا پورا شوق کرو۔ دو تین برس کی محنت ہے۔ بڑا مرحلہ انٹرنس کا ہے۔ اگر تم اس میں کامیاب ہوئے، تو یہ کامیابی اگلے امتحانوں میں تمھاری مددگار ہوگی۔

علم تو سب طرح کے ہیں اور طالب علم کو لازم ہے کہ سب کی طرف برابر توجہ دے، لیکن سب سے مقدم "ادب" ہے، جس کو انگریزی میں لٹریچر کہتے ہیں، یعنی زباندانی! کمالِ زباندانی یہ ہے کہ تم کو اہلِ زبان کی سی قدرت حاصل ہو۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ زباندانوں کی عبارتیں یاد ہوں۔ جس طرح کے خیال اور مضمون کو، جس پیرائے میں اہلِ زبان نے ادا کیا ہے، اس کی تقلید، اس کی نقل کرنی چاہیے۔ غرض، زباندانی کے لیے یادداشت شرط ہے۔ محاورات اور امثال و حکایات اور لغت اور صلوں کا استعمال، جنھیں "پریپوزیشن" کہتے ہو، سب پیشِ نظر رہیں۔ جس تحقیق سے تم مجھ سے عربی پڑھتے تھے کہ ہر ہر لفظ کا مادہ اور ماخذ اور صیغہ اور ترکیب، کوئی چیز چھوٹنے نہ پاتی تھی۔ یہی تحقیق فارسی اور انگریزی کی زبانوں میں ہے۔ جس کسی کتاب کا سبق لے کر بیٹھو، خوب لفظ لفظ پر نظر کرتے جاؤ۔ جب اس انضباط سے دو چار کتابیں نکلیں، اچھی خاصی استعداد ہو جائے گی۔ زباندانی کی استعداد بے شک کتابوں ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے، مگر اہلِ زبان سے گفتگو کرنا بھی ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اس واسطے میں نے تم کو مدرسے میں چھوڑا ہے —— جہاں تک ہو سکے، بری بھلی، غلط صحیح، ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنی ضرور چاہیے۔ تمھاری جماعت میں شاید اکثر لڑکوں کو انگریزی بولنے کی مہارت ہو۔ تم اونچی کلاس کے لڑکوں سے تعارف پیدا کرو اور ہر روز تین چار گھنٹے انگریزی میں بات چیت کرو، تاکہ جھجک اور رکاوٹ دور ہو۔

روز کا کام روز کرنا ضرور ہے ۔ جو سبق پڑھا ، اچھی طرح سمجھ کر اس کو قابو میں کر لیا ۔ غافل لڑکے سبق جمع کرتے جاتے ہیں اور امتحان کے زمانے میں یہ انبار مصیبت ہو جاتا ہے ۔ ایک نقشہ اس طرح کا بنا لو اور اس کو خوشخط ، کاغذ پر لکھ کر اپنی میز کے سامنے لگا لو ۔ اس سے تم کو معلوم ہوگا کہ کس وقت کیا کرنا ہے :۔

| دن کا نام | پہلا گھنٹا | دوسرا گھنٹا | تیسرا گھنٹا |
|---|---|---|---|
| شنبہ | عربی | اقلیدس | فارسی |
| یک شنبہ | جبر و مقابلہ | حساب | انگریزی ادب |

مدرسے کے خالی گھنٹے اور فرصت کے اوقات انگریزی گفتگو میں شریک کرو ۔ تفریح کی تفریح اور فائدے کا فائدہ ! اسی طرح اپنے باہر کے اوقات منضبط کر لو کہ فلاں وقت پر کام کریں گے اور جب اپنے کل اوقات منضبط کر چکو ، تو مجھ کو بھی اطلاع دو ۔ اس انتظام میں اس کا بڑا خیال رکھو ، طبیعت پر اتنا بوجھ نہ پڑنے پائے کہ گھبرا جائے ۔ جب خوش دلی ہے ، سب کام اچھا ہوتا ہے ۔ بے دلی پیدا ہوئی اور کام بگڑا !

اس کو پیش نظر رکھو کہ تم کو اس سال دوسری جماعت میں ترقی کر کے جانا ہے اور امتحانِ سالانہ وہیں دینا ہے ۔ پس وہاں کا کورس رفتہ رفتہ ابھی سے اپنے بس میں لانا چاہیے ۔ تم مجھ سے وقتاً فوقتاً ہر بات اور ہر مسئلہ پوچھتے رہو ۔ جہاں تک ممکن ہوا ، میں یہیں سے تم کو سمجھا دوں گا ۔

## (۲)

جس وقت سے میں آیا تھا ، تمہارا اسباب جمع کرنے کی فکر میں تھا ۔ چنانچہ اس وقت اسباب صندوق میں جمع کر کے اوپر سے ٹاٹ تہہ کر بکسر روانہ کرتا ہوں ۔ وہاں سے ریل پر روانہ ہو جائے گا ۔ اس ایک صندوق میں اتنی کتابیں ہیں کہ اگر آدمی نظر تحقیق سے ان پر عبور حاصل کر لے ، تو عالم ہو جائے ، مگر رکھ چھوڑنے کو کتاب اور پتھر برابر ہے ۔ مقدم جماعت کی پڑھائی

ہے۔ اس کے یاد کرنے سے جو وقت بچے، اس میں دوسرا کام کرنا چاہیے۔ اس قدر بوجھ اپنے اوپر مت ڈالو کہ جماعت میں بُرے رہو، کیونکہ ہم سبقوں میں پیچھے رہنا بڑی بے عزّتی کی بات ہے۔ بڑا انتظام اس کا ہے کہ انگریزی بول چال اور عبارتِ انگریزی کے لکھنے میں، یعنی انگریزی کمپوزیشن میں ترقّی ہو۔ سو اُمّید ہے کہ اس کے لیے تم نے تدبیر مناسب کر لی ہوگی۔ اگر وقت کو انتظام سے صرف کرو اور معمول باندھ کر ہر کام وقت پر کرتے رہو، تو بافراغت جماعت کی پڑھائی بھی بخوبی یاد کر لو گے، اور پھر بھی اتنا وقت بچے گا کہ اُس میں انگریزی کو بڑھاؤ، عربی پڑھو اور اونچی کلاس میں جانے کا حوصلہ رکھو۔

## (۳)

مجھ کو یہ سُننے میں بڑی خوشی ہوئی کہ تم سب مضامین میں پاس ہوئے، لیکن اور بھی زیادہ خوشی ہوتی، اگر تم اوّل یا دوم رہ کر پاس ہوتے۔ ابھی تمھارے امتحان بازیچۂ طفلاں ہیں۔ اُس امتحان کے لیے آمادہ رہو، جس کے ساتھ عزّت و ناموری وابستہ ہے، یعنی یونیورسٹی کی ڈگری۔

ابھی تک میرے سفر و حضر کا ٹھکانہ نہیں۔ میں اپنے خرچ سے کوئی اخبار نہیں لیتا۔ لیکن گراں اور ارزاں پر کیا نظر کرتے ہو، مطالعۂ اخبارات نہایت نافع چیز ہے۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی اچھا سا اخبار لینا شروع کر دو۔ اس کو تم اور تمھارے اُستاد مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کون سا اخبار بہتر ہے۔

## (۴)

میں مدراس میں اسمٰعیل سیٹھ کی کوٹھی کے بالاخانے پر ٹھہرا تھا۔ رفتہ رفتہ سیٹھ صاحب کے ساتھ تعارف ہوتا گیا۔ آخر انھوں نے دعوت کا پیغام دیا۔ مجھ کو سدا سے دعوت کی چڑ ہے۔ ٹالنے کے پیرائے میں انکار کیا۔ جب چل چلاؤ قریب آیا، تو سیٹھ صاحب نے اس قدر اصرار کیا کہ انکار کرتے نہ بن پڑا——

دسترخوان پر سیٹھ اور اُن کے اعزّہ و اقارِب اور مُلازم حتّٰی کہ خدمتگار ، سب بلا امتیاز شریک ہُوے اور اُنھوں نے میرے خدمتگاروں کو بھی ساتھ بٹھانا چاہا۔ ان کو کبھی برابر بیٹھنے اور ساتھ کھانے کا اتّفاق نہ ہُوا تھا ۔ بہُت ہچکچے ، بہُت رُکے اور سیٹھ صاحب ہیں کہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے لیے چلے آتے ہیں ، تو چار و ناچار مُجھ کو کہنا پڑا —— "اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ پیٹ بھر کر کھائیں ، تو ان کو اَلگ کھانے دیجیے"۔ ایسا ہی ہُوا ، مگر سیٹھ نے بڑا ہی تعجّب کیا کہ یہ کیسے مُسلمان ہیں ۔ کھانے میں آقا اور نوکر کا تفرقہ کرتے ہیں ۔ اگرچہ میں اس رسم کو اپنے ہاں جاری نہیں کر سکا، تاہم اس واقعے کو استحسان کے ساتھ اکثر یاد کیا کرتا ہُوں"۔

## (۵)

بشیر ! بچپن میں تمھارا سارا وقت خدمتگاروں میں بسر ہوتا تھا ۔ چونکہ یہ لوگ تمھیں کھلاتے بہلاتے تھے ، ایک دن میں نے تم سے کہا کہ میاں بشیر ! تم نوکروں میں رہ کر گالیاں بکنی ، قسم کھانی اور جھوٹ بولنا سیکھ گئے ، تو تمھارا مُنہ سڑ جائے گا اور میں تم کو اپنے ساتھ نہیں سُلاؤں گا ۔ بچّے معصوم ، تم کو میرے کہنے کا یقین ہو گیا ۔ ایک دن تمھاری زبان سے کوئی بےہُودہ بات نکلی ، تو تم کو میرا مقولہ یاد آیا ، تو بھاگے ہُوے اپنی والدہ کے پاس گئے کہ اَمّاں بی ! —— ذرا مُنہ سُونگھنا ۔ اُن کو میری نصیحت کا حال معلوم تھا ، سمجھ گئیں اور بولیں :

"سُونگھ کر کیا کروں گی ، گالیوں کی بُو آ رہی ہے"۔

یہ سُن کر تم بہُت گھبرائے —— آخرکار اُنھوں نے توبہ کرا دی اور الائچی کے دانے چبوائے ۔ تب تم کو تسلّی ہُوئی ، لیکن بہت دنوں تک تم اس بُو کے ڈر سے احتیاط کرتے رہے اور شُکر ہے تمھاری زبان گالی سے آشنا نہیں ہُوئی ۔

نذیر احمد

# مشق

۱۔ ا ۔ مرزا غالبؔ کے خطوط کی خاص باتیں بیان کیجیے۔
ب ۔ خواجہ حسن نظامی کی خطوط نویسی کے بارے میں اظہارِ خیال کیجیے۔
ج ۔ مولوی نذیر احمد کے خطوط میں جو باتیں آپ کو زیادہ پسند آئیں، انھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔
د ۔ خط لکھنے کا عمدہ طریقہ کیا ہے؟
ہ ۔ بولنے میں جھجک کس طرح دور ہو سکتی ہے؟

۲۔ معنی لکھیے :۔
اطراف و جوانب ۔ دل لگی ۔ بخل ۔ بے رنگ ۔ باغ باغ ہونا ۔ ناک کٹنا ۔ مرحلہ ۔ امثال ۔ استحسان ۔

۳۔ جملوں میں استعمال کیجیے :۔
لٹریچر ۔ حکایت ۔ تعارف ۔ مقدم ۔ ناموری ۔

۴۔ "بات" سے "بتنگڑ" اسمِ مکبّر ہے ۔ مندرجۂ ذیل سے اسمِ مکبّر بنائیں :۔
چھتری ۔ پہاڑی ۔ پگڑی ۔ ٹوپی ۔

۵۔ ان کے اسمِ تصغیر بنائیے :۔
آنکھ ۔ بچّہ ۔ کھاٹ ۔ بیٹی ۔ سانپ ۔

۶۔ جی جلنا ۔ قابو میں کرنا ۔ عبور حاصل کرنا ۔ آشنا ہونا ۔ کے معنی لغت میں سے دیکھ کر لکھیے ۔

۷۔ مندرجۂ ذیل میں سے اسمیہ اور فعلیہ جملے الگ الگ لکھیے :۔
ا ۔ ہم سوچ رہے تھے ب ۔ ایک شخص خون تھوک رہا تھا ۔
ج ۔ اُن کو حال معلوم ہے ۔ د ۔ تم کو تسلّی ہوئی ۔
ہ ۔ یہ کیسے مسلمان ہیں ؟ و ۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں ۔

۸۔ ذیل کے جملوں کے اجزا الگ الگ لکھیے :۔
حامد بیمار ہے ۔ ناظر کھانا کھاتا ہے ۔

# ۳۶۔ قائدِ اعظمؒ

گہنا گیا وہ چاند مگر اُس کے نُور سے
دِیوار و در وَطَن کے ہیں تاباں اُسی طرح
مُرجھا گیا وہ پھول مگر اُس کے رَنگ سے
قوسِ قُزَح ہے صحنِ گُلستاں اُسی طرح
چُپ ہو گیا وہ ساز، مگر اُس کے سوز سے
نغمے ہیں وادیوں میں پَرافشاں اُسی طرح
لہرا چکی وہ برق مگر اُس کی تاب سے
ذرّوں میں زندگی ہے غزل خواں اُسی طرح
گو نقش مِٹ گیا مگر اُس کے طِلسم سے
صرفِ چمن ہے فصلِ بہاراں اُسی طرح
وہ شمع بُجھ گئی مگر اُس کے فروغ سے
قِندیلِ آرزو ہے فروزاں اُسی طرح
دیکھو تو اُس کے کوکبِ اِقبال کا عُرُوج
سہمی ہُوئی ہے گردشِ دوراں اُسی طرح
بالیدہ ہے زمینِ وطن کی نمُو میں وہ
مُضطَر ہے مِثلِ شعلہ ہمارے لہُو میں وہ

(سیّد عابد علی عابدؔ)

# مشق

۱ — پہلے شعر میں قائدِ اعظمؒ کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بتائیے، اس نظم کے باقی شعروں میں اُن کو کس کس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے؟

۲ — مندرجۂ ذیل کا مطلب بیان کیجیے۔

قندیلِ آرزو ۔ کوکبِ اقبال ۔ گردشِ دوراں ۔ پَر اَفشاں ۔ تاباں ۔ طلسم ۔ فروغ ۔ فروزاں ۔

۳ — دوسرے، تیسرے اور پانچویں شعر کی تشریح کیجیے۔

۴ — اس نظم کے آخری شعر کا مطلب اپنی کاپی میں لکھیے۔

۵ — اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کیجیے:—

نقش ۔ شمع ۔ قندیل ۔ طلسم ۔ فصل ۔ صرف چمن ۔ مضطر ۔ وطن ۔ برق ۔ غزل ۔

۶ — جملوں میں استعمال کیجیے:—

گردشِ دوراں ۔ مُضطَر ۔ فروغ ۔ فصلِ بہاراں ۔ قندیلِ آرزو ۔ عروج ۔

۷ — مندرجۂ ذیل کیسے مرکبات ہیں:—

دیوار و در ۔ قندیلِ آرزو ۔ صحنِ گلستاں ۔ فصلِ بہاراں ۔ مثلِ شعلہ ۔

۸ — آپ اِس نظم کے تاثّرات اپنے الفاظ میں قلمبند کیجیے۔

۹ — اس نظم کی ردیف اور قافیے الگ الگ لکھیے۔

---

# ۳۷- لندن کی سیر

لندن پہنچنے کے بہت دنوں بعد تک ہم انگریزی کھانوں کو ترستے رہے۔ ہوا یہ کہ جس شام ہم یہاں وارد ہوئے، ہوٹل میں ایک پاکستانی صاحب مل گئے۔ بولے، "چلیے، پہلے آپ کو کھانے کا ٹھکانا بتا دوں"۔ ہم نے کہا، بسم اللہ! وہ پُرپیچ جگہوں میں لے گئے اور ایک جگہ لے جا کر کہا، "یہاں آپ کو عمدہ پاکستانی کھانا اور حلال گوشت ملے گا"۔ اچھا تو نہ تھا، قیمے میں پانی بہت ڈال رکھا تھا، مگر خیر۔

ایک جگہ تو جہاں بدرِ عالم لے گئے تھے، بیرے نے کہا — "جناب! کیا پان نہیں کھائیے گا؟" ہم نے کہا، "پان —؟" بولے، "جی ہاں! کیسا کھاتے ہیں آپ؟" بہت دن سے پان نہیں کھایا تھا۔ اس روز اس کا بیڑا منہ میں رکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ڈھونڈنے والے کو بخوبی مل جاتے ہیں، لیکن سڑک پر پچکاری مارنے کی اجازت نہیں۔ جگہ جگہ لکھا ہے کہ کچرا ڈالنے والے یا گندگی پھیلانے والے کو دس پونڈ جرمانہ!

ہمارے ہاں کے ایک بزرگ ایک دن جنیوا ہوٹل کے باہر سیر کر رہے تھے اور پان کی پچکاریاں مار رہے تھے کہ کچھ بچوں نے دیکھ لیا اور پولیس کو رپورٹ کر دی کہ ایک شخص خون تھوک رہا ہے۔ فوراً کانسٹیبل آئے اور کہا، چلو ہسپتال! یہ بہت بھنّائے اور انگریزی میں غصّہ کرنے لگے کہ میں تو یہ ہوں، وہ ہوں۔ تم مجھے جیل نہیں بھجوا سکتے۔ لیکن جنیوا کے کانسٹیبل انگریزی کیا جانیں! اتفاق سے ایک بھلے مانس کا گزر اُدھر سے ہوا۔ اُس نے صورتِ حال سمجھی اور سمجھائی اور اُن سے کہا کہ پانوں کی ڈبیا نکال کر ان کو دکھائیے۔ بڑی مشکل سے چھٹکارا ہوا۔

پچھلے ہفتے ہم لندن سے باہر برمنگھم بھی گئے۔ برمنگھم کے بعض حصوں میں گوجرانوالا اور سیالکوٹ کا نقشہ پایا۔ ایک سڑک پر تو سترفی صد دکانیں پاکستانیوں

کی تھیں ۔ یُونُس سُوِیٹ مارٹ سے ہم نے بھی جلیبیاں اور پیڑے کھائے ۔ یہاں مُستقل رہنے والے پاکستانی، بالعُموم پاکستانی قصائیوں سے گوشت لیتے ہیں ۔ جا بجا دُکانیں ہیں، جن پر لکھا ہے: "یہاں حلال گوشت مِلتا ہے" (بعض "ہلال گوشت" بھی لکھتے ہیں)۔ یہاں قصائی کی دُکان آئینہ خانہ ہوتی ہے ۔ جانوروں کا ڈاکٹر باقاعدہ مُعائنہ کرتا ہے۔ گوشت کے نہایت نفیس پارچے مومی کاغذ میں ملفُوف سجے ہوتے ہیں ۔ اُن پر اُن کی قسم اور قیمت لکھی ہوتی ہے ۔شیشوں کے دروازے اور کھڑکیاں اور ٹھنڈا رکھنے کو فرِیج ۔ کئی بار تو یہ گوشت کچّا کھانے کو جی چاہتا ہے ۔

اِس نوّے لاکھ، شاید ایک کروڑ سے زیادہ آبادی کے شہر میں تنہائی! لیکن تنہا گرسیتن میں ایک مزا بھی ہے ۔ تبھی تو غالبؔ نے تمنا کی تھی کہ ع

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو!

دُعا شاید اُنھوں نے اپنے لیے مانگی تھی، پُوری ہمارے حق میں ہُوئی ۔ غالبؔ نے ایک بے در و دِیوار سا گھر بنانا چاہا تھا ۔ پچھلے ہفتے تک ہمارا جو گزرا رہا ہے، اُس کا نقشہ اِس سے چنداں مختلف نہ تھا ۔ غالبؔ کو یہ بھی حسرت تھی کہ ع

کوئی ہمسایہ نہ ہو اور ہم زُباں کوئی نہ ہو!

ہمسائے تو خیر بے شُمار ہیں، لیکن اِس شہر کے ہمسائے کیا! برسوں رہ کر ایک دُوسرے کے غم میں شریک ہونا تو درکنار، ایک دُوسرے کے نام سے بھی واقف نہیں ہو پاتے! ہم زُبانی کا یہ عالم ہے کہ ہمارے ہوٹل میں سبھی قریب قریب اُفریقی ہیں یا پھر ایک امریکن لنڈا ہے ۔ ناشتے پر گڈ مارننگ، گڈ مارننگ ہو جاتی ہے اور بس ـــ!

غالبؔ صاحب کو یہ بھی آرزُو تھی کہ ع

پڑیے گر بیمار، تو کوئی نہ ہو تیماردار!

سو بر سرِ اولادِ آدم یہ بھی گُزری ۔ ہم کھانسی، بُخار، زُکام میں ڈیڑھ دِن تک اپنے کمرے میں پڑے رہے ۔ کسی نے نہ پُوچھا کہ بھیّا! کیسے ہو؟ آخر ہاؤس کیپر کے کہنے پر سینٹ میری ہسپتال کے آؤٹ پیشنٹ ڈیپارٹمنٹ میں گئے ۔ اُنھوں نے کہا، فلاں سٹرک کے فلاں کوچے میں ڈاکٹر ہارٹ کے پاس جاؤ اور یہ پرچی دے

دو۔ وہ مسیحائی کریں گے۔ وہاں پہلے ہی پندرہ بیس آدمی انتظار کر رہے تھے اور اپنی اپنی باری پر ڈاکٹر صاحب سے یہ پوچھتے تھے کہ "آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟ ہمیں بھی انھوں نے ایک منٹ میں بھگتا دیا۔ یہ بات کچھ اچھی نہ لگی، کیونکہ ہمیں ذرا دِقّت سے عرضِ حال کرنے کی عادت ہے کہ —— "ڈاکٹر صاحب! یہ کیا بیماری ہے؟ کھانے میں کیا کھائیں؟ اور کس چیز کا پرہیز کریں؟ کھچڑی ہمیں پسند نہیں، کچھ اور بتائیے۔ کیا دہی بڑے، ماش کی دال، بڑے گوشت کے کباب کھائے جا سکتے ہیں؟ دن میں کے بار دوا لینی ہے؟ وغیرہ" —— جس ڈاکٹر کو اتنا کچھ سننے کا یارا نہ ہو، اس کے پاس ہم جاتے ہی نہیں، لیکن یہ معاملہ پردیس کا تھا —— اس مردِ متمکن نے پرچی پر کچھ لکھ دیا کہ کسی کیمسٹ کے پاس چلے جاؤ۔ کیمسٹ نے ایک پچکاری سی دے دی کہ منہ کھول کر گلے میں مارو۔ ہم نے کہا، "دن میں کے بار؟ —— اور اپنے گلے میں یا کسی اور کے؟" فرمایا، "یہ تو ڈاکٹر سے پوچھنا تھا، حضور!" ہم نے کہا "پیسے؟" بولے، "پیسے کچھ نہیں۔ اس ملک میں علاج معالجہ مفت ہے"۔ ہمیں یہ بات معلوم ہوتی، تو ہم اب تک کئی بار بیمار پڑ چکے ہوتے۔

ذکر تنہا گریستن کے مزے کا تھا۔ آج ہی کا لیجیے۔ صبح نکل گئے —— صبح سے مراد گیارہ ساڑھے گیارہ بجے، کیونکہ "نہ سیکھے ہم نے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی" آدھی رات سے کچھ پہلے واپس آئے۔ آج ہفتے کا دن تھا۔ دفتر آج بند ہے۔ کوئی کارِ منصبی تھا نہیں، لہٰذا لندن ٹاور کا رُخ کیا۔ اس میں ایک عجیب آسیبی کشش ہے۔ اس کی زیادہ تر عمارتیں تیرھویں صدی کی ہیں اور بعض اس کے بعد کی اور پہلے کی بھی۔ یہ عجیب جائے عبرت ہے۔ کتنے ہی بادشاہوں اور ملکاؤں نے ان برجوں کے اندر اسیری کے دن دیکھے اور اکثر نے یہیں جلّاد کے کلہاڑے کے سپرد اپنی گردنیں کیں۔ وہ جگہ احاطے کے اندر زنجیروں سے محفوظ کر کے الگ کر دی گئی ہے، جہاں ملکۂ این بولین (ہنری ہشتم کی دوسری بیگم) اور ملکۂ کیتھرائن ہرداورڈ، لیڈی جین گرے، دو تین مشہور نوابوں اور نواب زادیوں کے سر قلم کیے گئے۔ ملکۂ این بولین سے البتہ ایک اور رعایت برتی گئی؛ اس نے

کہا تھا کہ میرا سَر کُلھاڑے سے نہیں، بلکہ تلوار سے قلم کیا جائے۔ چُنانچہ اُس کے لیے خاص طَور پر تلوار منگائی گئی۔

ٹاوَر کے ایک طَرف کی عمارت میں اَسلحے کا میُوزیم بھی ہے۔ جنگجُوؤں کے خود، زِرہ بکتر اَور چار آئینے تو ہر جگہ دیکھے ہیں۔ گھوڑوں کے زِرہ بکتر بھی کئی جگہ نظر آئے، لیکن ہاتھی کا زِرہ بکتر یہیں دیکھا۔ پُورا ہاتھی لوہے کی زِرہ میں رہتا تھا۔ یہ کلائیو صاحب ہندوستان سے لائے تھے۔ بہُت سے ہتھیار اَور زِرہیں یہاں ساختۂ لاہور ہیں۔ ایک دو ساختۂ سِندھ بھی۔ ہتھیاروں میں شمشیریں، خنجر، پیش قبض، قرولیاں اَور بھانت بھانت کے تحفے یہاں برِّصغیر پاک وہند کے دیکھے۔

باقی دِن ہم نے مادام تساؤ کی مومی تشبیہوں کی گیلری اَور اُن کے "چیمبر آف ہارَرز" یعنی "ایوانِ دہشت" دیکھنے میں گزارا۔ یہ بیکر سٹریٹ میں ہے اَور اِس میں مَوت کی سزا پانے والے مُجرموں کے پُتلے کھڑے ہیں۔ یہاں عجیب دھوکا ہوتا ہے۔ اَندر داخل ہو کر ہم نے گارڈ کے سپاہی کو ٹکٹ دِکھایا، تو اُس نے توجُّہ ہی نہ کی۔ معلُوم ہُوا، موم کا ہے۔ اُوپر چڑھے، تو ایک پُتلا اِنسانی شکل میں کھڑا تھا۔ ہم نے اُس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، تو بولا ـــــ "کیا کر رہے ہیں جناب!" آئینہ خانے کی گیلری میں ایک صاحِب کو ہم نے دیکھا کہ جس طَرف کو ہم جاتے ہیں، اُسی طَرف کو وُہ آتے ہیں۔ آخر ٹکرا گئے۔ ہم نے کہا "سوری"۔ لیکن شیشے کی ٹھنڈک محسُوس ہُوئی۔ تب معلُوم ہُوا کہ یہ تو ہم خُود ہی تھے۔ ہمارا ہی عکس تھا۔

لَندن میں میُوزیم ایک ہی نہیں، بہُت سے ہیں۔ ایک میُوزیم سائنس کا ہے اَور ایک نیچرل ہسٹری کا، جس میں جانوروں کے ڈھانچے رکھّے ہیں۔ پُرانے جانوروں میں بعضے تو بارہ بارہ، چودہ چودہ سو مَن کے تھے۔ اِنسان اُن کے سامنے کل کا بچّہ ہے۔ اِس کی عُمر جُمعہ جُمعہ آٹھ دِن کی، یعنی تیس لاکھ سال بتائی جاتی ہے۔ جبکہ مچھلیاں پچاس کروڑ سال پہلے موجُود تھیں، پرِندے چودہ کروڑ سال! دُودھ دینے والے جانوروں میں بھی اِنسان سَب سے پھسڈّی ہے، کیونکہ دُوسرے جانور بیس کروڑ سال پہلے وُجُود میں آ گئے تھے۔ جانے، اِتنے بہُت سے جانوروں کا دُودھ کہاں جاتا ہوگا، کہاں بِکتا ہوگا، کَون اِس میں پانی مِلاتا ہوگا۔

لنڈن دیکھا، لنڈن والے دیکھے، گورے دیکھے، کالے دیکھے۔ ہاں، دوستو! سچ مچ کے کالے۔ گو ہمیں بھی دعویٰ رُوسیاہی کا ہے، لیکن فردا کی تقدیر معلوم ہوتا ہے کہ افریقہ کے ہاتھ میں ہے۔ احساسِ کمتری یعنی چہ؟ ہمیں تو اپنے ان بھائیوں میں صاف احساسِ برتری دکھائی دیتا ہے۔ لنڈن میں بیرونی طالب علموں کو دیکھو، یا گلیوں کوچوں میں کام کرنے والوں کو، ٹیوب میں، بس میں، فلیٹ میں، دکان میں، ہر جگہ گورے کے ساتھ کالا نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی ہم سوچتے ہیں کہ ہم کون ہیں، کیا ہیں، تین میں ہیں یا تیرہ میں؟ —— گورا ہمیں گورا نہیں جانتا، —— خواہ ہماری رنگت اس سے زیادہ ہی سُرخ و سفید کیوں نہ ہو۔ کالوں میں ہماری گنتی ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ اصل کالے اس وقت تک مارکیٹ میں نہ آئے تھے۔ کل ہائیڈ پارک کارنر میں ایک افریقی سے ہم نے بھائی چارا جتایا، تو وہ بولا، "تم کس مُنہ سے خود کو کالا کہتے ہو؟ —— جاؤ، اپنا مُنہ دھو رکھو!"

یارو! بڑائی رنگ و نسل کی نہیں ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں لنڈن اور پیرس گمنام قریے تھے۔ گندگی کے ڈھیر تھے۔ پادری لوگ نہانے والوں کو کوڑے لگوایا کرتے تھے کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں، جمعے کے جمعے نہانے لگے ہیں۔ ۱۸۶۸ء سے پہلے جاپان کا شمار دُنیا کی قوموں میں کہیں بھی نہ تھا۔ اس سے بہت پہلے ایک زمانہ تھا کہ یونان کے جھنڈے ہر طرف گڑے تھے۔ پھر رومنوں نے بادشاہی کی۔ "عرب کیا تھا، بس اک جزیرہ نما تھا"، لیکن یہاں سے روشنی کی ایک مشعل جلی اور قرطبہ، بغداد، دمشق اور قسطنطنیہ کے میناروں سے دُنیا بھر میں علم و تہذیب کا نُور تقسیم ہوا۔ سو سب ملتیں یا زبانیں یا سرزمینیں اپنی ہمت اور اپنے اعمال سے سرفراز ہوتی ہیں۔

(ماخوذ از ابنِ انشا)

---

# مشق

۱ – آپ کو اس سبق میں مزاح کے جو دِلچسپ حصّے پسند آئے، اُن میں سے دو کا ذِکر اپنے الفاظ میں کیجیے۔

۲ – اِس سبق میں انسانی مُساوات کے مُتعلّق جن خیالات کا اِظہار کیا گیا ہے، اُس کا خُلاصہ لکھیے۔

۳ – آپ اپنے کِسی سفر کا حال دِلچسپ انداز میں تحریر کیجیے۔

۴ – اِس سبق میں بعض انگریزی کے لفظ بھی آئے ہیں۔ ان کی فہرست بنا کر ان کے سامنے اُردو ترجمہ لکھیے۔

۵ – عرضِ حال کرنا۔ سرقلم کرنا۔ گردن مارنا۔ بھانت بھانت کے۔ رشک کرنا کو جُملوں میں استعمال کیجیے۔

۶ – یارا۔ ممتمکن۔ تنہا گریستن۔ سحرخیزی۔ کارِمنصبی۔ آسیبی کشش۔ جائے عبرت۔ جلّاد۔ اسیری۔ میوزیم۔ جمعہ جمعہ آٹھ دِن۔ پھسڈّی کے معنی لکھیے۔

۷ – ذیل کے ہر لفظ کے سامنے لکھیے کہ وہ قواعد میں کیا ہے؟

(مثلاً روغنی پراٹھا ______ مُرکّب توصیفی)

پاکستانی ______

ہتھوڑا ______

بگاڑ ______

خراماں خراماں ______

مقبول ______

مسجد ______

گیارھواں ______

______

# ۳۸ ـ تحریکِ پاکستان میں خواتین کا حصّہ

برّصغیر میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی ۔ قائدِ اعظمؒ اپنی جماعت کو پاکستان کے حصول کے لیے منظّم کر رہے تھے ۔ اُنھیں اس بات کا شدّت سے احساس تھا کہ قوم اُس وقت تک ترقّی نہیں کر سکتی جب تک مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی اُن کے دوش بدوش آگے نہ بڑھیں ۔ اُنھیں تحریکِ آزادی کو مُلک کے گوشے گوشے میں پھیلانا تھا ۔ وُہ جانتے تھے کہ عورت پر ایک بار جو ذمّہ داری ڈال دی جائے، اُس کو پُورا کرنے کے لیے وُہ اپنی جان کی بازی لگا دیتی ہے ۔

یہی سوچ کر ۱۹۳۸ء میں قائدِ اعظمؒ نے "آل انڈیا مسلم لیگ مرکزی کمیٹی برائے خواتین" کی بنا ڈالی ۔ اس کی صدر بیگم محمّد علی چُنی گئیں ۔ دیکھتے ہی دیکھتے پُورے برّصغیر میں خواتین مسلم لیگ کمیٹیاں قائم ہو گئیں ۔ قوم کو اپنے قائدِ اعظمؒ پر اتنا بھروسا تھا کہ مردوں نے عورتوں کو سیاست میں آنے سے نہ روکا، بلکہ خُوش آمدید کہا ۔ بیگم محمّد علی سکول اور کالج کی تعلیم یافتہ خاتون نہ تھیں ۔ وُہ سراپا خُلوص تھیں ۔ سیدھی سادی زُبان میں ایسی تقریریں کرتیں کہ عورتیں اُن کے کہنے پر سب کُچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتیں ۔ وُہ ایک باپردہ خاتون تھیں، مگر پردہ اُن کی راہ میں رُکاوٹ نہ تھا ۔

اُنھوں نے برّصغیر کا دَورہ کر کے ہر صُوبے میں مسلم لیگ کی لاتعداد شاخیں قائم کیں ۔ ان شاخوں کے اخراجات بھی خواتین خُود ہی ادا کرتیں ۔ باپردہ خواتین مسلم لیگ کی رُکنیّت کی کاپیاں ہاتھوں میں لیے اپنے اپنے محلّوں میں جاتیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں عورتوں سے دو دو آنے چندہ لے کر رُکن بنا لیتیں ۔ اگر ان عورتوں کے پاس پیسے نہ ہوتے، تو یہ پیسے بھی خُود ہی دے دیتیں ۔ مقصد بہت بڑا تھا اور اس کے لیے کثیر سرمائے کی ضرورت تھی ۔ ایسے نازک

لمحوں میں بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، مگر ان بیبیوں نے ہمت نہ ہاری۔ ان کی کوششوں سے یہاں تک ہُوا کہ جس کی ذرا بھی حیثیت ہوتی، وُہ خاتون خُود آ کر چندہ دے جاتی۔ سال میں ایک بار سالانہ چندہ بھی جمع کیا جاتا۔ مرکزی اور صُوبائی شاخوں کے دفاتر سے خواتین کو مُہر لگے ہوئے ڈبے مل جاتے، یہ بیبیاں ایک دن میں اتنا چندہ جمع کر لیتیں کہ سال بھر کے لیے کافی ہوتا۔

کوئی تحریک خاموشی سے کبھی نہیں پھیلتی۔ اس کے لیے بڑی بھاگ دوڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مُسلم لیگ کی تحریک کو خواتین میں مقبول بنانے کے لیے، شہر شہر، گاؤں گاؤں اور محلّے محلّے میں جلسوں کی ضرورت تھی۔ سوال یہ تھا کہ جلسوں کے اخراجات کہاں سے پُورے ہوں؟ مگر خواتین کے جذبۂ صادق نے اس مسئلے کا حل بھی تلاش کر لیا۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ جس محلّے میں جلسہ ہو، اُس محلّے کی کوئی حیثیت والی خاتُون اُس کے تمام اخراجات پُورے کرے۔ اب کیا تھا، بازی لے جانے کی خاطر ہر طرف سے جلسے کرانے کی فرمائش ہونے لگی۔

پہلے پہل تو عورتیں جلسوں میں آنا پسند بھی نہیں کرتی تھیں۔ اس کے لیے کارکن خواتین کو بڑی محنت کرنی پڑی۔ ان کارکن بیبیوں نے خُود ہی چند چھوٹے چھوٹے ڈرامے لکھے۔ ان ڈراموں کی کشش سے جلسوں کی رونق بڑھی۔ یہ ڈرامے زیادہ تر تعلیم کے فوائد اور جہالت کے نقصانات کے موضوع پر ہوتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ لڑکیاں تعلیم کی طرف مائل ہونے لگیں، اور خواتین جلسوں میں شرکت کرنے لگیں۔

جلسوں میں بیبیوں کو یہ بات سمجھائی جاتی کہ اگر ہندوستان میں انگریز سے ہمیں نجات مل گئی، تو اُس کی جگہ ہندو لے لے گا —— اور اس طرح ہم ایک مصیبت سے نکل کر دُوسری مُصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے —— اس لیے ہمیں ایک علیحدہ مُلک کی ضرورت ہے، جہاں ہم اسلام کے اُصُولوں پر آزادی سے اپنی زندگی گزار سکیں۔

اِس بات کو شہر شہر اور قریے قریے میں بسنے والی ہر عُمر کی خاتون کے کانوں تک پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ بس ایک سچّا جذبہ ہی تھا، جو اِن خواتین سے ایسے عظیم کام کروا رہا تھا۔

تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں کئی قسم کے کام کرنے پڑتے تھے۔ کام کی نوعیّت کے لحاظ سے کارکُن خواتین کا اِنتخاب کر لیا جاتا۔ جو چندہ جمع کرنے میں ماہر ہوتیں، وُہ چندہ جمع کرنے میں لگ جاتیں۔ جو تقریر کرنے میں طاق ہوتیں، وُہ تقاریر کرتیں۔ جو حُسنِ اِنتظام کی صلاحیت رکھتیں، وُہ جلسوں کا اِنتظام کرتیں اور تعلیم میں دلچسپی رکھنے والی بیبیاں تعلیم کو عام کرنے میں مدد دیتیں۔

تعلیم حاصل کرنا دراصل مسلمان خواتین کا حصولِ آزادی کی طرف پہلا قدم تھا۔ گھر گھر جا کر ماؤں کو سمجھانا اور انھیں اپنی بچّیوں کو جدید تعلیم دِلانے پر آمادہ کرنا بڑا ہی کٹھن کام تھا۔ اِس کام کے لیے اِن بیبیوں نے کئی پاپڑ بیلے ـــــ گھر گھر مکتب کھولے ـــــ چھوٹے چھوٹے مدرسے بنائے، جو آگے چل کر بڑے سکولوں میں تبدیل ہو گئے۔

کارکُن بیبیاں جانتی تھیں کہ پاکستان بن گیا، تو اُس کو سنبھالنے اور ترقّی دینے کے لیے پڑھی لکھی خواتین کی ضرورت ہوگی۔ انھی خواتین کی کوششوں نے آگے چل کر "مسلم گرلز سٹوڈنٹ فیڈریشن" کی بُنیاد ڈالی۔

اِس فیڈریشن نے حصولِ آزادی کے لیے بہت مستعدی سے کام کیا۔ انھوں نے مظاہرے کیے، جلوس نکالے، جلسے منعقد کیے۔ اِن کے بیانات جچے تلے اور اُن کے مظاہرے منظّم ہوتے تھے۔

تحریکِ آزادی کے لیے جو خواتین کام کر رہی تھیں، اُن میں محترمہ فاطمہ جناح کا نامِ نامی سرِ فہرست آتا ہے۔ اُن کے بارے میں قائدِ اعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے پاکستان کی جنگ اپنی بہن کی قوّت سے جیتی ہے۔ خواتین کے ہراول دستے میں بیگم محمّد علی، لیڈی ہارُون، بیگم ہدایت اللہ، بیگم شائستہ اکرامُ اللہ، بیگم شاہنواز اور بیگم سلمٰی تصدّق مُمتاز حیثیّت رکھتی ہیں۔ بیگم شاہنواز نے گول میز کانفرنس میں

بھی شرکت کی۔ پہلی گول میز کانفرنس میں ان کی تقریر کو برطانوی اخبارات نے بڑی اہمیت دی۔ تیسری گول میز کانفرنس میں وہ واحد خاتون تھیں، جنھیں برِصغیر کے تمام طبقوں کی خواتین کی نمائندگی کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔

مسلم لیگ کی کارکن خواتین کو حضرتِ قائدِ اعظمؒ سمیت مسلم لیگ کے تمام سرکردہ رہنماؤں کی سرپرستی اور مکمّل تعاون حاصل تھا۔ وہ جب چاہتیں، اُن سے مل کر ہدایات حاصل کر لیتیں۔

ان سب کی کوششوں سے خُدا خُدا کر کے آخر وہ دن آیا، جس کا سب کو انتظار تھا۔ ۲۳؍ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں "قراردادِ پاکستان" منظور ہوئی۔ بیگم محمّد علی نے خواتین کی طرف سے اس کی تائید کی ——— قائدِ اعظمؒ نے خواتین کی خدمات کو سراہا اور فرمایا:

"مجھے اس بات میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ جب مسلم لیگ کے لیے کام کرنے والوں کی فہرست بنائی جائے گی، تو خواتین کی خدمات نمایاں ہوں گی"۔

آج ان بیبیوں کا آدھا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ قراردادِ پاکستان پاس ہونے سے ان میں ایک نئی اُمنگ پیدا ہو گئی ——— اُن کے حوصلے بلند اور قدم تیزتر ہو گئے ——— اس جلسے سے واپس جا کر اُنھوں نے اپنے صوبوں میں جلسے کیے ——— اب ان سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا:

لے کے رہیں گے پاکستان!

بن کے رہے گا پاکستان!

یہ جذبہ خواتین میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا کہ اُنھیں اب اپنے کھانے پینے اور سونے تک کا ہوش نہ رہا تھا۔ بس ایک ہی دُھن تھی۔ صُبح ہوتے ہی وہ اپنے گھریلو کام دھندوں کو جلدی جلدی سمیٹ کر ایک ایسے پاکستان کے حصول کے لیے نکل کھڑی ہوتیں، جو اُن کے بچّوں کے لیے خوشیوں کا گہوارہ ہوگا ——— جہاں اسلامی روایات کو فروغ ہوگا ——— جہاں آزادی کا سکھ چین ہوگا ——— وہ دن رات ایک ہی خواب دیکھتیں ——— اور وہ

تھا آزادی کا خواب ! ـــــ پاکستان کا خواب !

۱۹۴۶ء کے یادگار الیکشن میں خواتین نے بہت کام کیا ۔ انھوں نے گلی گلی جا کر مسلمان عورتوں کے ووٹ رجسٹر کرائے ۔ اس میں انھیں طرح طرح کی دشواریاں پیش آئیں ، مگر وہ مشکلات کی پروا کیے بغیر آگے ہی بڑھتی رہیں ۔ اگر خواتین ان انتخابات میں اس طرح گرمجوشی اور لگن سے کام نہ کرتیں ، تو شاید مسلم لیگ کے لیے ایسی شاندار کامیابی حاصل کرنا آسان نہ ہوتا ۔

جب صوبۂ بہار میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے اور بہت سے مسلمان گھرانے تباہ ہو گئے ، تو خواتین نے پورے برِّصغیر میں اس کے خلاف احتجاج کیا ۔ انھوں نے ہمدردی کے جلسے کیے ۔ چندہ جمع کر کے "بہار ریلیف فنڈ" میں دیا اور یوں خواتین بہار کے دکھی مسلمانوں کے لیے روشنی کی کرن بن گئیں ۔ انھوں نے پورے دو ماہ ان کے ساتھ امدادی کیمپوں میں گزارے ۔

خواتین ابھی ان ذمّہ داریوں سے سبکدوش نہ ہو پائی تھیں کہ ۱۹۴۷ء کے شروع میں مسلم لیگ نے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی ۔ پنجاب میں خواتین نے اس تحریک میں بھرپور حصّہ لیا اور بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ۔ بڑے بڑے جلوس نکالے ، جس کے نتیجے میں بیسیوں خواتین کو جیل بھیج دیا گیا ۔ بعض کو چھے چھے ماہ قید کی سزا ہوئی ۔ ـــــ جیلوں میں انھیں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں ـــــ کسی کو قیدِ تنہائی اور کسی کو قیدِ بامشقّت ، مگر ان خواتین کا جذبہ بڑھتا ہی چلا گیا ـــــ انھوں نے جیل کے اوپر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا دیا اور پھر اس پرچم کو سلامی دی ۔

خواتین زور شور سے جلسے کر رہی تھیں اور روزانہ گرفتار ہو رہی تھیں ۔ ایسا بھی ہوا کہ پولیس گرفتار شدگان کو ایک بس میں بٹھاتی اور شہر سے پندرہ پندرہ اور بیس بیس کلومیٹر دور چھوڑ آتی ـــــ ایک مرتبہ عورتوں نے جنگل میں اترنے سے انکار کر دیا ، تو پولیس نے بس کے اندر آنسو گیس

چھوڑ دی، جس سے کئی خواتین کے مُنہ جھلس گئے۔

سندھ سے بیگم ہدایت اللہ نے لاہور آ کر مظاہروں میں حصّہ لیا۔ ان کی قیادت میں ایک جلوس سیکریٹیریٹ پہنچا ــــ احاطے کا دروازہ بند تھا ــــ ایک لڑکی نے اندر چھلانگ لگا کر باقی خواتین کو اندر بُلا لیا ــــ چند لڑکیاں سیکریٹیریٹ کی چھت پر چڑھ گئیں اور برطانوی پرچم کی جگہ مسلم لیگی پرچم لہرا دیا۔

جب خضر حیات کی وزارت نے خواتین کا یہ جذبہ دیکھا، تو اگلے ہی دن استعفیٰ دے دیا ــــ حکومت نے پہلے جو مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ سب کے سب تسلیم کر لیے گئے ــــ اور قائدِ اعظمؒ کی ہدایت پر یہ تحریک بند کر دی گئی۔

۳ رجون ۱۹۴۷ء کو برِّصغیر کی تقسیم کا اعلان کر دیا گیا ــــ جولائی میں برطانوی پارلیمنٹ نے برِّصغیر کی آزادی کا بل منظور کر لیا ــــ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں اور سکھّوں کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت فرقہ وارانہ فسادات کی آگ شدت سے بھڑک اُٹھی۔ مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا جانے لگا ــــ اُن کی ہزاروں بہو بیٹیوں کو چھین لیا گیا ــــ بچّوں کو ماؤں کے سامنے ذبح کیا جانے لگا۔

ایسے میں دہلی کی خواتین مسلم لیگ سب کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ کارکن خواتین اور لڑکیاں فرسٹ ایڈ کی تربیت حاصل کریں تاکہ وہ اُن کیمپوں میں جا کر کام کر سکیں، جو مسلمان زخمیوں سے بھرے پڑے تھے۔ اس کے لیے بیگم لیاقت علی خان کی کوٹھی پر فرسٹ ایڈ کی تربیت کا آغاز ہوا۔ لڑکیاں اور خواتین تربیت حاصل کر کے زخمیوں کی خدمت کے لیے روانہ ہو گئیں۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا، جب خواتین نے فساد زدہ علاقوں سے لوگوں کو نکال نکال کر امن کی جگہ پہنچانے کا دشوار کام اپنے ذمّے لے لیا۔ ان کے پیچھے ان کے اپنے گھر بار لُٹ گئے ــــ مگر انھیں ایک ہی دُھن تھی اور وہ تھی قوم کی خاطر کام کرنے کی دُھن!

اور پھر اُن کی آزمائش کا سخت ترین مرحلہ آن پہنچا۔ اُن کا خواب حقیقت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ پاکستان بن چکا تھا، لیکن ساتھ ہی دُوسری طرف سے لاکھوں ہزاروں لوگ لُٹے پِٹے، زخمی اور نڈھال پاکستان چلے آ رہے تھے۔ اُن کے لیے امدادی کیمپ کھولے گئے اور یہاں پھر خواتین ان کیمپوں میں کھانے کی چیزیں، کپڑے اور دوائیں لے کر پہنچیں، اور زخمیوں اور بیماروں کی خدمت میں اُنھوں نے رات دن ایک کر دیا۔ چھوت کی بیماریاں پھیل رہی تھیں —— خاتون ڈاکٹروں اور ڈاکٹری کی زیرِ تعلیم طالبات نے اُن کے علاج کے لیے اپنا آرام اور سُکھ چین فراموش کر دیا

پاکستان بنتے ہی ہسپتالوں سے غیر مُسلم نرسیں سرحد پار چلی گئیں۔ اور اُن کی جگہ ہماری خواتین اور طالبات نے لے لی۔ اگر خواتین اپنے اپنے گھروں میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتیں، تو بھارت سے روزانہ ہزاروں انسانوں کا پاکستان آنا قوم کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ بن جاتا۔

خواتین کے بے لوث جذبۂ خدمت اور ایثار سے پاکستان کو اس مسئلے سے نمٹنے میں بڑی مدد ملی۔

جب پاکستان آنے والوں کا سلسلہ تھما، تو خواتین نے پاکستان میں مختلف انجمنیں بنائیں۔ ہسپتال، مدرسے، کالج اور دستکاری کے مراکز قائم کیے اور وہ ایک بار پھر اصلاحی کاموں میں لگ گئیں۔

خواتین کا وہ جذبہ آج بھی زندہ و پائندہ ہے۔ پاکستانی خواتین خانہ داری کے ساتھ ساتھ ملازمت اور دیگر معاشرتی ذمّہ داریوں سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہو رہی ہیں، لیکن آج اُنھیں صرف ایک بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنا نسوانی وقار قائم رکھیں۔ قائدِ اعظمؒ نے بھی بار بار یہی کہا تھا کہ خواتین صحیح اور سچّی مسلمان ثابت ہوں، تو وہ زیادہ مفید کام کر سکتی ہیں۔ وہ غیر قوموں کی تقلید کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ اُن کی بہن فاطمہ جناح ہمیشہ باپردہ لباس میں نظر آتیں۔ جب بھی طبقۂ نسواں کا ذکر آیا، قائدِ اعظمؒ نے پاکستانی خواتین کے لیے یہی پیغام دیا کہ وہ مشرقی تہذیب کو باقی رکھیں

اور کبھی اپنا توازن نہ کھوئیں ۔ یہی تہذیبی توازن ہے، جسے اسلام نے "اعتدال کی راہ" کہا ہے ۔ دراصل قائدِ اعظمؒ خواتین کو ایک روشن مینار کی مانند دیکھنا چاہتے تھے ۔ کہ وہ مینار کی طرح اپنی جگہ پر ہر مشکل میں ثابت قدم رہیں اور دوسروں کی رہبری کا فرض انجام دیں ۔

---

## مشق

۱ ۔ ا ۔ آل انڈیا مسلم لیگ مرکزی کمیٹی برائے خواتین کی بنیاد کب پڑی ؟

ب ۔ مسلم لیگ کی خاتون کارکنوں کو اپنا پیغام خواتین تک پہنچانے میں کیا کیا دشواریاں پیش آئیں ؟

ج ۔ جلسوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے خواتین کارکنوں نے کیا تدبیر کی ؟

د ۔ خواتین کو جلسوں میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لیے خواتین کارکنوں نے کیا تدابیر اختیار کیں ؟

ہ ۔ پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک کے دوران خواتین نے کیا کردار ادا کیا ؟

و ۔ قیامِ پاکستان کے بعد خواتین نے پاکستان کی خدمت کس طرح کی ؟

ز ۔ قائدِ اعظمؒ کا پاکستانی خواتین کے لیے کیا پیغام ہے ؟

۲ ۔ ان کے معنی بتائیے :۔

جذبۂ صادق ۔ مستعدی ۔ دھن ۔ بطریقِ احسن ۔ تہذیبی توازن ۔ اعتدال ۔

۳ ۔ اس سبق میں سے جملۂ فعلیہ اور جملۂ اسمیہ کی پانچ پانچ مثالیں تلاش کیجیے ۔

۴ ۔ مندرجۂ ذیل کو جملوں میں استعمال کیجیے :۔

یونہی ۔ جونہی ۔ یہی ۔ اوہ ۔ اُف ۔ شاباش ۔

---

# ۳۹۔ جوگی

کل صُبح کے مَطلعِ تاباں سے، جب عالم بُقعۂ نُور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے، خُورشید کا نُور ظہُور ہوا
مستانہ ہوائے گُلشن تھی، جانانہ اَدائے گُلبن تھی!
ہر وادی وادیٔ ایمن تھی، ہر کوہ پہ جلوۂ طُور ہوا!
جب بادِ صبا مِضراب بنی، ہر شاخِ نہال رَباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے، ہر سرو و سَمَن طَنبُور ہوا
سب طائر مِل کر گانے لگے، عِرفان کی تانیں اُڑانے لگے
اَشجار بھی وجد میں آنے لگے، دِلکش وُہ سَماعِ طیُور ہوا
سبزے نے بِساط بچھائی تھی، اَور بزمِ سرُود سجائی تھی
بَن میں، گُلشن میں، آنگن میں، فرشِ سنجاب و سمُور ہوا
تھا دِلکش منظرِ دشت و جبَل، اَور چال صَبا کی مستانہ
اِس حال میں ایک پہاڑی پر، جا نِکلا ناظرِ دِیوانہ!



چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے، پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادَل کے، کُہرے نے قنات لگائی تھی
یاں بَرف کے تودے گلتے تھے، چاندی کے فوّارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے، نالوں نے دُھوم مچائی تھی

یاں قُلّۂ کوہ پر رہتا تھا اِک مست قلندر بیراگی !
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کے اَور انگ بھبُھوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بستر اَور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیبِ کمر ، جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خَلقِ خُدا سے بیگانہ ، وُہ مَست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مَستانہ ، آنکھوں میں مَستی چھائی تھی
جوگی سے آنکھیں چار ہُوئیں اَور جُھک کر میں نے سلام کیا
تب آنکھ اُٹھا کر ناظر سے یوُں بَن باسی نے کلام کیا !



کیوں بابا ! ناحق جوگی کو ، تم کس لیے آ کے ستاتے ہو
ہم پنکھ پکھیرُو بَن باسی ، تُم جال میں آن پھنساتے ہو !
کوئی جھگڑا دال چپاتی کا ، کوئی دعویٰ گھوڑے ہاتھی کا
کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا ، تُم ہم کو سُنانے آتے ہو !
ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چُکے ، اِس نگری سے مُنہ موڑ چُکے
ہم جو زنجیریں توڑ چُکے ، تُم لا کے وُہی پہناتے ہو
تُم پُوجا کرتے ہو دَھن کی ، ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی
ہم جوت جگاتے ہیں مَن کی ، تُم اُس کو آ کے بُجھاتے ہو
سنسار سے یاں مُکھ پھیرا ہے ، مَن میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھ لڑی ہے پیتم سے ، تُم کس سے آنکھ مِلاتے ہو ؟
اُس مَست قلندر جوگی نے ، جب ناظر پہ یہ عتاب کیا
کُچھ دیر تو ہم خاموش رہے ، پھر جوگی سے یُوں خطاب کیا

ہیں ہم پردیسی سیلانی، مت ناحق طیش میں آ جوگی!
ہم آئے تھے تیرے درشن کو، چتون پہ میل نہ لا جوگی!
آبادی سے منہ پھیرا کیوں؟ پربت میں کیا ہے ڈیرا کیوں؟
ہر محفل میں، ہر منزل میں، ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی!
کیا مسجد میں، کیا مندر میں، سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا
پربت میں، نگر میں، ساگر میں ہر اُترا ہے ہر جا جوگی!
جی شہر میں خوب بہلتا ہے، واں حسن پہ عشق مچلتا ہے
واں پریم کا ساغر چلتا ہے، چل دل کی پیاس بجھا جوگی!
واں دل کا غنچہ کھلتا ہے، ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی! بازار میں دھونی رما جوگی!



ان چکنی چپڑی باتوں سے، مت جوگی کو پھسلا بابا!
جو آگ بجھائی جتنوں سے، پھر اُس پہ نہ تیل گرا بابا!
ہے شہر میں غل اور شور بہت، اور حرص و ہوا کا زور بہت
بستے ہیں نگر میں چور بہت، سادھو کی ہے بن میں جا بابا!
ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں، چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجا کے نہ دوارے جاتے ہیں، پرجا کی نہیں پروا بابا!
سر پر آکاش کا منڈل ہے، دھرتی پہ سہانی مخمل ہے!
دن کو سورج کی محفل ہے، شب کو تاروں کی سبھا بابا!
جب بادل گھر کر آتے ہیں، مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں، گاتی ہے ملھار ہوا بابا!

یاں پنچھی مِل کر گاتے ہیں، پریتم کے سندیس سناتے ہیں
یاں روپ اَنوپ دکھاتے ہیں، پھل پھول اور برگ گیا بابا!
ہے پیٹ کا ہر دم دھیان تمھیں، اور یاد نہیں بھگوان تمھیں
سل، پتھر، اینٹ، مکان تمھیں، دیتے ہیں سکھ سے چھڑا بابا!
تن من کو دھن میں لگاتے ہو، پریتم کو دل سے بھلاتے ہو
ماٹی میں لعل گنواتے ہو، تم بندۂ حرص و ہوا بابا!

(خوشی محمد ناظر)

## مشق

۱۔ آخری تین اشعار کی نثر بنائیں۔
۲۔ معنی لغت میں سے تلاش کر کے لکھیے :۔
مطلعِ تاباں۔ بقعۂ نور۔ گلبن۔ مضراب۔ دشت و جبل۔ قلّۂ کوہ۔ پکھیرو۔ بن باسی۔ سنگسار۔ چتون۔ وادیٔ ایمن۔ عرفان۔ سماعِ طیور۔ سنجاب وسمور۔ سیماب۔ بیراگی۔ انگ۔ بھبھوت۔ جوت جگانا۔ پریتم۔ سیلانی۔ ساگر۔ موہن سنکھ۔ آکاش۔ منڈل۔ سندیس۔ ہر۔
۳۔ ''بستانہ'' میں ''انہ'' لاحقہ ہے، اسی لاحقے سے پانچ الفاظ بنائیے۔
۴۔ اس نظم میں سے اسمائے آلہ چن کر الگ لکھیے۔

---

# ۴۰- وادیِ مہران

چچا عزّت یوں تو جگت چچا تھے۔ کیا چھوٹے، کیا بڑے، سبھی ان کو پسند کرتے اور وہ ہر ایک کو پیار کرتے، مگر نوید، ازم اور ندیم کی بات ہی کچھ اور تھی۔ یہ بچّے تو اُن کے اپنے بھائی کے بچّے تھے۔ بچّے بھی اپنے چچا پر جان چھڑکتے تھے۔ آج وہ اپنے چچا سے ملنے حیدرآباد جا رہے تھے۔

چچا سٹیشن پر موجود تھے۔ بچّوں کو لے کر گھر آئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد بچّے تازہ دم ہو کر دسترخوان کے گرد جمع تھے۔ چچی اُنھیں بتا رہی تھیں کہ یہ سندھی بریانی ہے۔ اِس میں بہت زیادہ مسالہ اور آلو ڈالے جاتے ہیں۔ اِدھر پلّہ مچھلی بھی تمھارا اِنتظار کر رہی ہے، مگر اِس مچھلی کو اِحتیاط سے کھانا، جتنی لذیذ ہے، اُسی قدر اِس میں کانٹے بھی ہیں۔ سب نے بڑے شوق سے کھانا کھایا۔ چچا نے اُنھیں کھانے کے بعد سندھڑی آم بھی کھلائے۔

کھانے کے بعد سب نے تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر چچا اُنھیں حیدرآباد کی سیر کرانے لے گئے۔ چچا نے اُنھیں سب سے پہلے کلھوڑا خاندان کے دو حکمرانوں کے مقبرے دکھائے اور پھر قلعے کے عجائب گھر لے گئے۔ عجائب گھر میں تالپور دور کے نوادرات رکھّے ہوئے تھے۔ بچّوں نے ایک ایک چیز بڑی دلچسپی سے دیکھی۔ یہاں سے چچا عزّت اُنھیں دریائے سندھ کی سیر کو لے گئے۔ چچا نے بتایا کہ دریائے سندھ کی رعایت سے ہی اِس صوبے کا نام "سندھ" پڑ گیا۔ سندھی زبان میں "سندھو" دریا کو کہتے ہیں۔ یہ دریا "مہران" بھی کہلاتا ہے۔ سندھ کی سرزمین پر صدیوں تک مختلف خاندانوں نے حکومت کی، جن میں عرب، مغل، سومرو اور تالپور خاندان زیادہ مشہور ہیں۔ یہ علاقہ مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے، جن کے آثار ابھی تک موجود ہیں۔ سندھی زبان میں عربی الفاظ اور اس کا عربی رسم الخط عرب مسلمانوں کے اثرات کا آئینہ دار ہے۔

گھر واپس پہنچتے ہی بچے بستروں پر لیٹ گئے۔ دن بھر کی تھکن اور رات کا سہانا سماں، سب اس طرح سے مدہوش ہوئے کہ رات کے گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ اگلی صبح پھر وہ سیر کے لیے تیار تھے۔ ناشتا کیا اور چچی چچا سمیت تمام بچے جیپ میں سوار ہو گئے۔

سفر شروع ہو چکا تھا۔ چچا نے انھیں بتایا کہ سندھ کے لوگ شعر و شاعری، موسیقی اور عوامی رقص کے بہت شوقین ہیں۔ پنجاب کے بھنگڑے اور لڈی کی طرح یہاں "جھومر"، "جمالو" اور "دھمال" ڈالے جاتے ہیں۔ اکتارا اور الغوزہ یہاں کے خاص ساز ہیں۔ موسیقی کے ماہر چاندنی راتوں میں جب یہ ساز بجاتے ہیں، تو جی چاہتا ہے کہ یہ راگ کبھی ختم نہ ہوں۔ تیزی سے چلتی ہوئی جیپ کی رفتار کم پڑ گئی، تو چچا نے کہا— "لو، ہم ٹھٹھہ پہنچ گئے ہیں"۔

ٹھٹھہ مختلف ادوار میں حکمرانوں کا صدر مقام رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ علم و ہنر کا بھی بہت بڑا مرکز ہے —— اس شہر میں مسجدوں اور مقبروں کی بہتات ہے۔ یہاں کے مقبرے اور مسجدیں فنّ تعمیر کے لحاظ سے منفرد ہیں۔ چچا سب کو خاص خاص مقبرے اور مسجدیں دکھاتے ہوئے شاہجہان مسجد تک لے آئے۔ سب نے بڑی دلچسپی سے اس مسجد کو دیکھا۔

چچا نے بتایا کہ شاہجہان نے یہ مسجد ۱۶۴۴ء میں بنانا شروع کی، اور تین سال بعد ۱۶۴۷ء میں یہ مکمل ہوئی۔ یہ مربع شکل میں ہے اور عام طرزِ تعمیر سے بہت مختلف ہے۔ اس میں دو بڑے بڑے ایوان بنائے گئے ہیں، جنھیں بڑی خوبصورتی سے آپس میں ملا دیا گیا ہے۔ اس راستے پر ۹۲ گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کی عمارت پچی کاری کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس میں امام کی آواز کو ہر حصے میں پہنچانے کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

بچوں کو مسجد کے اندرونی مرکزی حصے میں نیلے اور سفید رنگ کا استعمال بہت پسند آیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر بھنبھور کو روانگی ہوئی۔ راستے میں چچا نے بتایا کہ سندھ کو "باب الاسلام" بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان سب سے پہلے سندھ ہی کے

ساحل پر اُترے ۔ یہی بھنبھور ہے ، جو اُس زمانے میں ” دیبل “ کہلاتا تھا ۔
اِتنے میں بھنبھور کا قلعہ آ گیا ۔ اندر جاتے ہُوئے چچا نے بتایا کہ یہ قلعہ بھی کئی تہذیبوں کی تصویر پیش کرتا ہے ۔ دیکھو ! ساسانیوں اور ہندوؤں کی تہذیب کے ساتھ ساتھ قلعے کے درمیان میں ایک خُوبصُورت مسجد بھی نظر آتی ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ برِّصغیر کی پہلی مسجد تھی ، جو کُوفے کی مسجد کے انداز پر بنائی گئی ۔ اس کے کتبے کُوفی خط میں کندہ ہیں —— مسجد سے مُلحقہ عجائب گھر میں رکھّی ہُوئی چیزوں کو بچّوں نے بہت ہی شوق سے دیکھا —— اُن کے لیے یہ ساری چیزیں بے حد دلچسپ تھیں —— شام کے وقت حیدرآباد کو واپسی ہُوئی ۔

اگلی صُبح پانچ بجے ہی چچا کی جیپ پھر چل پڑی ۔ چچا نے کہا —— ” آج ہم بھٹ شاہ ، ہالہ اور سیہوَن شریف جا رہے ہیں “ ۔

بھٹ شاہ اب آنے ہی والا ہے ۔ ” بھٹ “ سندھی زبان میں ” ٹیلے “ کو کہتے ہیں ۔ یہ بھی ایک ٹیلہ تھا ۔ یہاں کی سب سے قابلِ دید جگہ —— شاہ عبدُاللّطیف بھٹائیؒ —— کا مزار ہے ۔ آپؒ سندھ کے مشہور صُوفی شاعر ہیں ۔ اُن کا مزار سندھی طرزِ تعمیر کا نادر نمُونہ ہے ۔ پھر یہاں کا عجائب گھر دیکھنے کے بعد سب جیپ میں سوار ہو کر ہالہ کو روانہ ہُوئے ۔

ہالہ بھٹ شاہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے ۔ جیپ جلد ہی وہاں پہنچ گئی ۔ ہالہ دو حصّوں میں بٹا ہُوا ہے ۔ نئے اور پُرانے ہالہ میں کوئی تین کلومیٹر کا فاصلہ ہے ۔ سندھ کی اکثر چیزیں جنھیں لوگ سوغات کے طور پر ساتھ لے جاتے ہیں ، پُرانے ہالہ میں بنتی ہیں ۔

چچا نے بچّوں کو جگہ جگہ لے جا کر چیزیں بنتے ہُوئے دکھائیں ۔ پیپر مشی کے رنگ برنگے ، ہلکے پھُول سے ڈبّے بچّوں کو اِتنے بھائے کہ اُنھوں نے بہت سے خرید لیے ۔ اِرم نے ایک زنانہ چپّل خرید لیا ، جس پر بڑے خُوبصُورت اُونی پھُول بنے ہُوئے تھے ۔ نوید کو شیشوں والی سندھی ٹوپی بہت بھائی ۔ اس کے علاوہ بطورِ تحفہ لے جانے کے لیے سُوسی ( کپڑا ) ،

اَجرک (چادَر)، بَرتن اَور بہت سی چیزیں اکٹھّی کرلیں ۔
چچا یہاں سے سَب کو لے کر سیہون شریف کی طَرف رَوانہ ہُوئے ۔ وہاں پر لعل شہباز قلندرؒ کا مزار ہے ۔ اُن کا اَصل نام عُثمان تھا، مگر اَپنے مُرشِد کے دِیے ہُوئے لقب ہی سے مشہور ہُوئے ۔ آپؒ شاعر بھی تھے ۔ اُن کا مزار بھی اَپنی نفاست کی وَجہ سے دیکھنے سے تعلّق رکھتا ہے ۔ بچّوں نے مزار کی زِیارت کی ـــــ چچا نے بَتایا کہ ہر سال شعبان کے مہینے میں آپؒ کا عُرس ہوتا ہے ۔ دُور دُور سے لوگ عُرس میں شرکت کرنے کے لیے آتے ہیں ۔ لوگ مزار پر فاتحہ پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں اَور نمازوں کے عِلاوہ نوافل پڑھتے ہیں ۔
تیسرا دِن "موئن جو دڑو" کی سیر کے لیے وَقف تھا ۔ صُبح سویرے چچی نے کھانے پینے کا سامان تیار کیا اَور روانگی ہُوئی ۔ اِرم نے پُوچھا ـــ "چچا! "موئن جو دڑو" کا مطلب کیا ہے؟" چچا بولے ـــ "اِس کا مطلب ہے، "مُردوں کا ڈیرا"" ۔
وہاں پہنچ کر سَب بڑے اِشتیاق سے آثارِ قدیمہ دیکھ رہے تھے ـــ یہاں پانچ ہزار سال پُرانی تہذیب کے نشان مِلتے ہیں ۔ اِن نشانات سے اَندازہ ہوتا ہے کہ وادیٔ مہران (سِندھ) کے باشندوں کی اَکثریّت دیہات میں رہتی تھی اَور اُن کا پیشہ کھیتی باڑی تھا ۔ کپاس اُس زمانے میں صرف سِندھ میں ہوتی تھی ۔ یہ بات اُس زمانے کے سفرناموں سے بھی معلوم ہوتی ہے ۔
چچا نے بَتایا کہ یہاں کے گھر پکّی اِینٹوں سے بَنائے گئے تھے ۔ اُن کی عِبادَت گاہیں بڑی خُوبی سے بَنائی گئی تھیں ۔ یہاں نہانے کے تالاب بھی تھے ۔ گلیوں میں بَنی ہُوئی نالیاں اُن کے سلیقے اَور سمجھ بُوجھ کا پتا دیتی ہیں ـــ یہ سَب کُچھ دِکھاتے ہُوئے چچا بچّوں کو عجائب گھر کی طَرف لے گئے ۔
عجائب گھر کے نگران نے بَتایا کہ اُس دَور میں اَوزان اَور پیمائش کا ایک باقاعِدہ نِظام رائج تھا ۔ اَوزان پکّی مٹّی کے ہوتے تھے ۔ یہ دیکھو! تاجروں کی مٹّی کی مُہریں ہیں ۔ بَرتن مٹّی کے ہوتے تھے، جِن پر نقش و نگار بھی بَنائے

جاتے تھے۔ اُن لوگوں کو دھات گلا کر زیور اور ہتھیار بنانا بھی آتا تھا۔ آلات میں کلھاڑیاں، اُسترے، چاقو، قلم، بھالے وغیرہ ملے ہیں۔ بچّے ان تمام چیزوں میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔

سیر ختم ہوئی، تو چچا سب کو ریسٹ ہاؤس لے گئے۔ وہاں کھانا اُن کا مُنتظر تھا۔ بچّے خُوش بھی تھے اور اُداس بھی! اُنھیں مزہ تو بہت آیا، مگر اتنی پیاری وادیٔ مہران کو چھوڑ کر جانے کا دُکھ بھی تھا۔ چچا نے اُن کی اُداسی بھانپ کر کہا "آئندہ برس چھٹّیاں ہوتے ہی تم یہاں چلے آنا، پھر جی بھر کر سیر کریں گے"! یہ سُن کر بچّے خُوشی سے اُچھل پڑے۔

---

# مشق

۱ ۔ ا ۔ وادیٔ مہران سے کیا مُراد ہے؟

ب ۔ سندھی زبان کا رسمُ الخط کون سا ہے؟

ج ۔ سندھ کو "بابُ الاسلام" کیوں کہتے ہیں؟

د ۔ سندھ کی تہذیب کی خاص خاص باتیں کون سی ہیں؟

۲ ۔ وادیٔ مہران کے حسین مناظر کے بارے میں دو پیرے لکھیے۔

۳ ۔ معنی تحریر کیجیے: گہوارہ ۔ محال ۔ منفرد ۔ گرد و نواح ۔ نوافل ۔ اوزان و پیمائش۔

۴ ۔ ان محاورات کے معنی واضح کرنے کے لیے انھیں جملوں میں استعمال کیجیے:۔

جان چھڑکنا ۔ تپاک سے ملنا ۔ پھولے نہ سمانا ۔ مدہوش ہونا۔

۵ ۔ وضاحت کیجیے: جگت چچا ۔ نوادرات ۔ صدر مقام ۔ پچّی کاری ۔ برِّ صغیر ۔ کُوفی خط۔

۶ ۔ ان جملوں کو درست کیجیے:۔

ا ۔ نوکر کو کہو، ہرا ہرا گھاس لائے۔

ب ۔ یہ راہ دریا کی طرف جاتا ہے۔

ج ۔ ہم نے قائدِ اعظمؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھا۔

د ۔ ہم نے آج ہی وہاں جانا ہے۔

---

# ۴۱۔ حضرتِ بہاءُالدّین زکریّا رحمۃ اللہ علیہ

دِلّی پر سُلطان شمسُ الدّین اَلتُتمِش کی حکومت تھی اور مُلتان کا حاکم ناصرُالدّین قباچہ تھا۔ یہ سُلطان کا حریف تھا۔ سُلطان اَلتُتمِش اپنی دِینداری، نیکی اور شریعت کی پاسداری میں عام مُسلمانوں کے علاوہ عُلما و اولیا میں بھی بہُت مقبُول تھا۔ مُسلمان اُسے دل سے چاہتے تھے اور اُس کی دِینداری کی وجہ سے اُس کو اولیا میں شُمار کرتے تھے۔ ناصرُالدّین قباچہ سُلطان کی بڑھتی ہُوئی شہرت و مقبولیّت کو دیکھ کر اُس کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانے لگا۔

مُلتان کے قاضی کو جب اِس بات کا عِلم ہُوا، تو وہ بہُت رنجیدہ ہُوا۔ اُسے یہ بات بالکُل پسند نہ آئی۔ اس کے علاوہ ایک دَرویش، جو مُلتان ہی میں، ایک خانقاہ میں رہتے تھے، اِس بات سے افسُردہ ہُوے۔ شہر کے قاضی اور اِس دَرویش نے بھلائی اِسی میں سمجھی کہ سُلطان شمسُ الدّین اَلتُتمِش کو ناصرُالدّین قباچہ کی سازشوں سے آگاہ کریں۔ دونوں نے سُلطان کو الگ الگ خُطُوط لِکھے، جن میں قباچہ کی سازشوں کا تفصیلی حال دَرج تھا اور دِین کی بھلائی کے لِیے ہدایات بھی تھیں۔

اِتّفاق سے وُہ دونوں خط ناصرُالدّین قباچہ کے مُلازموں کے ہاتھ لگ گئے اور اُنھوں نے فوراً قباچہ کے حوالے کر دِیے۔ قباچہ اِن خطوں کو دیکھ کر آگ بگُولا ہو گیا۔ حُکم دِیا کہ قاضی اور دَرویش، دونوں کو دَربار میں حاضر کِیا جائے۔ دونوں بُزُرگ دَربار میں بُلائے گئے۔ پہلے قاضی صاحب کے ہاتھ میں اُن کا خط دِیا گیا۔ وُہ اُس کو دیکھ کر خاموش ہو گئے اور جب دوبارہ پُوچھنے پر بھی خاموش رہے، تو قباچہ آپے سے باہر ہو گیا اور جلّاد کو اشارہ کِیا، جس نے قاضی صاحب کا سَر تن سے جُدا کر دِیا۔

اِس کے بعد قباچہ دَرویش کی طرف مُتوجّہ ہُوا اور اُن کا خط بھی

اُن کے ہاتھ میں دے دِیا۔ دَرویش نے خط پکڑا اَور کہا ——"بے شک یہ خط میرا ہے، مگر مَیں نے اَللہ تعالیٰ کے حُکم سے اِس کو لِکھا ہے۔ اَور مَیں یہ سمجھتا ہُوں کہ مَیں نے بالکُل صحیح لِکھا ہے"۔

دَرویش کے لہجے میں کُچھ اَیسی بات تھی کہ قباچہ دَرویش کے یہ جُملے سُن کر لرزہ بَراَندام ہو گیا۔ دَرویش کے رُعب و جَلال کی تاب نہ لا سکا —— مَعذرت خَواہ ہُوا اَور اَپنی غَلطی پر اَفسوس کرتے ہُوئے دَرویش کو اِعزاز و اِکرام کے ساتھ دَربار سے رُخصت کِیا۔

یہ دَرویش حضرتِ بَہاءُ الدّین زکریّا مُلتانیؒ تھے، جِنھوں نے اَپنی ساری عُمر اِسلام کی تبلیغ و اِشاعت اَور دِینِ حق کی خِدمت میں گُزاری۔ اُنھوں نے ایک طَرف حُکمرانوں کو اَپنی نَصیحتوں سے حق کی راہ دِکھائی، حُکومت کے طَور طَریقے سِکھائے اَور سَمجھائے، اَور اَللہ کے عَذاب سے ڈرایا —— تو دُوسری طَرف تبلیغِ دِین میں پیش پیش رہے اَور اِسلام کی تَروِیج و تَرقّی کو اَپنی زِندگی کا مَقصد قرار دِیا۔

حضرتِ بَہاءُ الدّین زکریّا مُلتانی، رَحمۃُ اللہِ عَلَیہِ، اَب سے کوئی ساڑھے آٹھ سَو سال قَبل ضِلع مُظفّر گڑھ کے گاؤں کوٹ کروڑ میں پَیدا ہُوئے۔ آپؒ کے والِد بہُت بڑے عالِمِ دِین اَور وَلیُّ اللہ تھے، لِہٰذا آپؒ کی دِینی تَعلیم گھر پر بہُت چھوٹی سی عُمر میں شُروع ہُوئی۔ آپؒ نے سات سال کی عُمر میں قُرآنِ پاک حِفظ کر لِیا۔ بارہ سال کے ہُوئے، تو والِد کا سایہ سَر سے اُٹھ گیا، لیکن آپؒ کی تَعلیم بَدستُور جاری رہی۔

آپؒ نے حُصُولِ عِلم کی خاطِر بڑے بڑے طَوِیل سَفر کِیے۔ مُلتان سے خُراسان گئے۔ پھر وہاں سے بُخارا پہُنچے اَور کئی سال مکّۂ مُعظّمہ اَور مَدینۂ مُنوّرہ میں گُزارے۔ واپسی پر بَغداد سے ہوتے ہُوئے مُلتان پہُنچے، جہاں کافی عَرصے تک گوشہ نشِینی کی زِندگی بَسر کی اَور عِبادتِ اِلٰہی میں مَصرُوف رہے۔ اَہلِ مُلتان جب آپ کے عِلم و فَضل سے آگاہ ہُوئے، تو آپؒ کے پاس رَہنُمائی اَور ہدایت کے لِیے آنے لگے۔ اِس پر آپؒ نے دَرس و تَدرِیس اَور وَعظ و نَصیحت کا آغاز کِیا۔ آپؒ نے اَللہ

کے دین کی تبلیغ اس انداز سے کی کہ لوگ آپؒ کی طرف کھنچے چلے آنے لگے۔ آپؒ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور مریدوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔

آپؒ کی شہرت، پاکبازی اور دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں آپؒ کی کوششوں سے متاثر ہو کر سلطان التتمش نے آپؒ کو دہلی بلا لیا اور شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کیا۔ آپؒ ایک مدت تک اس عہدے پر کام کرتے رہے اور بعد میں آپؒ کی اولاد بھی ایسے ہی سرکاری عہدوں پر فائز رہی۔

چند سال دہلی میں رہنے کے بعد آپؒ ملتان واپس آ گئے اور تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ آپؒ نے ایک دینی مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسے کا سارا انتظام آپؒ خود ہی کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ مدرسہ ایک اسلامی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا، جس میں دینی اور دنیوی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس عظیم درسگاہ میں ملتان کے گرد و نواح کے علاوہ برِّصغیر کے دیگر شہروں اور عراق، شام اور حجاز تک سے تشنگانِ علم اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے آتے تھے۔ جو لوگ یہاں سے فارغ التحصیل ہوتے، انھیں مختلف علاقوں میں اشاعتِ اسلام کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔ اس وقت عام درسگاہوں میں تو نماز، روزہ اور ریاضت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ترکِ دنیا کا درس دیا جاتا تھا، لیکن آپؒ کی درسگاہ دوسری درسگاہوں سے یکسر مختلف تھی۔ آپؒ اپنے مریدوں کو اسلام کی صحیح تعلیم کے مطابق روزہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ حصولِ دنیا کی بھی تاکید کرتے۔ البتہ گناہ سے بچنے کی سخت ہدایت فرماتے تھے۔ اس مدرسے میں تعلیم بالکل مفت دی جاتی تھی۔ درسگاہ میں کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔

حضرتِ بہاءُ الدینؒ کا کردار بے مثال تھا۔ بادشاہِ وقت کے سامنے بھی حق گوئی سے باز نہ آتے۔ آپؒ نے خلقِ خدا کی بڑی خدمت کی۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے درسگاہوں کو رقوم دیں اور اپنی درسگاہ میں تو بالکل مفت تعلیم کا اہتمام کیا۔ غریبوں کے لیے آپؒ کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ مہمانوں کے لیے لنگر خانے میں ہر وقت انتظام رہتا تھا۔

آپؒ جُود وسخا میں اپنی مثال آپ تھے۔ جو نذرانے آپؒ کی خدمت میں آتے، آپؒ اُسی وقت اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تاجروں کا ایک جہاز گرداب میں پھنس گیا۔ اِس جہاز پر موتیوں اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر سفر کر رہے تھے۔ جہاز کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی اور نذر مانی۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور جہاز گرداب سے باہر نکل آیا۔ ان تاجروں نے عقیدت کا اظہار کرتے ہُوئے اپنے مال کا تیسرا حصّہ حضرتِ بہاءُالدّین زکریّا مُلتانیؒ کی خدمت میں پیش کرنے کا عہد کر لیا۔ چُنانچہ تاجروں کی طرف سے ایک بُزرگ، خواجہ فخرُالدّین گیلانی، نقدی اور جواہرات لے کر حضرتِ شیخ زکریّا مُلتانیؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپؒ نے نذرانہ قبول کر لیا، لیکن تین دن کے اندر اندر تمام مال محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔

خواجہ فخرُالدّین نے جب یہ دیکھا، تو انھوں نے بھی اپنا سارا مال و اسباب اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا اور خود فقیری اختیار کر کے حضرتِ شیخ زکریّاؒ کی خدمت میں رہنے لگے اور آج بھی اُن کی اولاد مُلتان میں باوقار طور پر آباد ہے۔

شیخ زکریّاؒ غُربت اور مسکینی کی زندگی گزارنے کے خلاف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و زر دے رکھا تھا، اس لیے آپ کا رہن سہن بڑے ٹھاٹھ باٹھ کا تھا۔ جو لوگ اُن سے مُلاقات کے لیے آتے، اُنھیں بھی اسی انداز سے رکھتے۔ آپؒ کے باورچی خانے میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، مگر شیخؒ کو ان بہترین کھانوں میں صحیح لذّت اُسی وقت مِلتی، جب وُہ مہمانوں، مُسافروں اور درویشوں کے ساتھ مِل کر کھاتے تھے۔

ایک دفعہ مُلتان میں سخت قحط پڑا۔ لوگ فاقے کرنے لگے، تو حضرتِ شیخ زکریّا مُلتانیؒ نے بڑی مقدار میں غلّہ والیٔ مُلتان کے پاس بھجوا دیا تاکہ لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جب غلّہ والیٔ مُلتان کے پاس پہنچا، تو اُس میں چاندی کے کُوزے اور سکّے بھی پائے گئے۔ والیٔ مُلتان نے حضرتِ شیخؒ کو اطلاع دی، تو آپؒ نے فرمایا ــــ "ہمیں پہلے ہی عِلم تھا۔ چُونکہ غلّہ ہم نے تُم کو

بخش دیا ہے ، اس لیے غلّے کے ساتھ جو کچھ بھی ہے ، غریبوں کے لیے ہے۔"

آپؒ کے پاس بے شمار دولت تھی ۔ آپؒ تجارت بھی کرتے تھے ، زراعت کا کام کارندے انجام دیتے تھے ، مگر اُن سب کاموں سے حاصل ہونے والی آمدنی پُوری کی پُوری غُربا اور مساکین کی خبرگیری ، رفاہِ عام کے کاموں ، دینی درس گاہوں اور لنگر خانوں کے انتظام میں خرچ ہوتی تھی ۔

روایت ہے کہ جب تاتاریوں نے مُلتان کی طرف یلغار کی ، تو حضرتِ شیخ زکریاؒ نے اہلِ مُلتان کو قتل و غارت سے بچانے کے لیے اپنے پاس سے ایک لاکھ دینار تاتاریوں کو دیے اور اہلِ مُلتان کو اُن کے ظُلم و ستم سے نجات دلائی ۔

آپؒ نے سو سال کے قریب عُمر پائی ۔ ساری عُمر دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت اور خلقِ خُدا کی بھلائی میں گزاری ۔ آپؒ کا مزار مُلتان ہی میں ہے ، جہاں آج بھی دن رات ہزاروں افراد عقیدت کا اظہار کرتے ہیں ۔

---

# مشق

۱ ۔ ا ۔ قاضی اور درویش نے سُلطان التتمش کو کیا لکھا ؟

ب ۔ قباچہ نے درویش سے کیا سلُوک کیا ؟

ج ۔ حضرت بہاءُالدّین زکریاؒ دہلی میں کس عہدے پر فائز رہے ؟

د ۔ حضرتؒ کی درس گاہ عام دینی درس گاہوں سے کس طرح مُختلف تھی ؟

۲ ۔ حضرتِ زکریا مُلتانیؒ کی سیرت پر ایک مُختصر مضمون لکھیے ۔

۳ ۔ تشنگانِ علم ۔ فارغُ التّحصیل ۔ حق گوئی ۔ جُود و سخا ۔ گرداب ۔ یلغار کے معنی لکھیے ۔

۴ ۔ اس سبق میں سے "اسمِ فاعل" اور "اسمِ مفعُول" کی چار چار مثالیں تلاش کیجیے ۔

---

# ۴۲ - اللہ پاکِستان رہے

اللہ پاکِستان رہے
جب تک سُورج چاند ہیں باقی، جب تک باقی جہان رہے
اللہ پاکستان رہے
پاکِستان کا گوشہ گوشہ، گلی گلی آباد رہے
پاکستان کا بچّہ بچّہ شاد رہے آزاد رہے
آنکھیں ہوں خوابوں سے رَوشن، سینوں میں ایمان رہے
اللہ پاکستان رہے

اِس کے پہاڑوں دریاؤں پر، مَیدانوں صحراؤں پر
اِس کے بھرے پُرے شہروں پر، ہر قریے ہر گاؤں پر
تیری رحمت کی بارش ہو، تیرا کرم ہر آن رہے
اللہ پاکِستان رہے

اِس کے طِفل و جواں کو جُنوں دے عرفان و آگاہی کا
یا رب اِن کو ڈھنگ سِکھا دے، دِلوں کی شاہنشاہی کا
عِلم، مَحبّت، محنت دے دے، عام ترا فَیضان رہے
اللہ پاکستان رہے

پاکستان میں بسنے والے، اپنی آپ نَظِیر رہیں
دِل و دِماغ اَور دست و بازُو مصرُوفِ تعمیر رہیں
تُو ہے اَزَل سے اَبَد تک قائِم، قائِم ترا نشان رہے
اللہ پاکستان رہے

(ضیا جالندھری)

## مشق

۱ — اِس نظم کا خُلاصہ نثر میں تحریر کیجیے۔
۲ — اِس نظم میں سے ہم قافیہ الفاظ کی فہرست تیار کریں۔

# ۴۳۔ شہزادی برجیس کی کہانی

یہ کہانی علّامہ راشدُ الخیری رح کی لکھی ہوئی ہے، جو عام طور پر "مُصوّرِ غم" کہلاتے ہیں۔ ان کی ایک کہانی آپ اس سے پہلے ساتویں جماعت کی کتاب میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ علّامہ رح نے اپنی کہانیوں میں زیادہ تر عورتوں کے مصائب کا ذکر کیا ہے اور اُن کی حالت بہتر بنانے پر زور دیا ہے۔

●

جب گولیوں کی باڑھ اور پھانسیوں کی قطار کا زور ہو رہا تھا، تو گھر میں صرف ہم دو میاں بیوی ہی تھے اور کوئی اتنا نہ تھا کہ دوائی ٹھنڈائی تو کیا، دو گھونٹ پانی ہی پلا دے۔ پکڑ دھکڑ کا یہ عالَم کہ جو باہر نکلا، پھر نہ پلٹا۔ صُبح کو گیا، تو۔ دوپہر کو نکلا، تو۔ شام کو پھانسی کی خبر آ گئی!

ہماری گلی میں کھاری پانی کا کُنواں تھا۔ رات کو مَیں چُپکے سے جاتی اور دو لوٹے بھر لاتی۔ خُدا بھلا کرے بیچارے احمد عطّار کا۔ اُس نے مُجھ کو عُنّاب کے شربت کی ایک بوتل دے دی تھی۔ دونوں وقت بیمار کو وُہی پلا دیتی۔ دُوسرے تیسرے خالہ کُبرٰی کُچھ چنے دے دیتیں۔ وُہی کھا کر پانی پی لیتی۔ مہینا سوا مہینا اسی طرح کیا، مگر ننھّے دُولھا کا بُخار نہ اُترا۔ ہڈّیاں ہی ہڈّیاں رہ گئی تھیں۔

میرا محلّہ خانم کے بازار سے مِلا ہُوا تھا اور ابھی تک اللہ کا فضل تھا، کہ حکیم باؤلے کے داماد نے کسی گورے کی ٹوپی اُچھالی اور اُس کی میم کو پکڑ لیا! اَب کیا تھا، شام تک چاروں طرف گورے ہی گورے تھے۔ گھروں میں گھُس گھُس کر مردوں کو پکڑا اور مارا۔ مَیں کُنڈی لگائے، جا نماز پر اللہ اللہ کر رہی تھی۔ پچھلا پہر ہوگا کہ خالہ کُبرٰی نے آواز دی۔ مَیں نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آئیں اور کہا

"جس طرح ہو، یہاں سے بھاگو۔ صُبح کو سارا محلّہ توپ سے اُڑے گا۔"
مَیں سَر پکڑ کر بَیٹھ گئی اَور کہا، "بھلا، خالہ! مَیں کِس طَرح بھاگ سکتی ہُوں، ننّھے دُولھا مِیاں کو کیونکر ساتھ لُوں؟"

وُہ بولیں، "دیر کا مَوقع نہیں۔ جِس طرح ہو اُٹھاؤ۔ سب پکڑ کر لے چلیں گے!"
مَیں تو جانوں، تِین بجے ہوں گے کہ سَب بھرا گھر چھوڑ چھاڑ، شہَر سے نِکلے۔ دِن بھر کیا گُزری، رَستہ کِس طرح کٹا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کھیل کا دانہ بھی اُڑ کر مُنہ میں نہ گیا۔ پیاس کے مارے جان نِکلی جاتی تھی۔ ہم بَڑ کے دَرَخت کے نِیچے پڑے تھے کہ جاٹ آئے اَور دونوں مَردوں کو پکڑ کر ساتھ لے گئے۔ سوچ رہے تھے کہ کیا کریں، اِتنے میں دونوں مَرد — خالہ کے مِیاں اَور لڑکا — خُوش خُوش آئے۔ خُشکے کا بھرا ہُوا تھال، شکّر اَور دَہی پڑا ہُوا، اُن کے پاس تھا۔ دیکھ کر جان میں جان آئی اَور اِس بُری طرح ٹُوٹے کہ کنگلوں کو بھی مات کِیا۔ رات ہم نے وَہیں گُزاری اَور صُبح کو ہم پانچوں آگے بڑھے۔

دوپہر تک تو ہم راستہ چلے۔ بیمار کی وَجہ سے آگے نہ چلا گیا۔ ہمارے تھکنے سے پہلے ہی بیمار کی حَالت رَدّی ہو گئی۔ آنکھیں بَند ہو گئیں اَور سانس نام کو رہ گیا۔

خالہ کُبڑی نے دیکھ کر کہا "اَرے، خُدا کے لِیے ٹھہرو! ذرا ننّھے دُولھا کو تو دیکھو، کیا ہو رَہا ہے!"

مَیں آگے تھی۔ اَیسا مَعلُوم ہُوا کہ کِسی نے کلیجے میں گھُونسا مارا — جان نِکل گئی۔ ٹھٹکی، تو کیا دیکھتی ہُوں کہ مَنکا تک ڈھلک گیا ہے۔ اُن کو لِٹایا۔ دوپٹّوں سے پَنکھے جَھلے، تو خالہ نے کہا کہ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہُوئی ہیں۔ دو گھُونٹ پانی کے ہوں، تو حَلق تر ہو جائے۔ شاید آنکھیں کھولیں۔

مگر وَہاں پانی کہاں! مَیں رو رو کر چاروں طَرف دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے کُچھ گورے کندھوں پر بندُوقیں رکھّے آتے ہُوئے دِکھائی دِیے۔ ہم سَب کی رُوح فنا ہو گئی۔ اُن میں دو گورے آگے بڑھے۔ ہم نے آنکھیں بَند کر لیں اَور کلِمہ و دُرُود پڑھنے لگے کہ اَب یہ گولی مار دیں گے۔ گورے سَر پر آ پہُنچے۔ پُوچھا، "ہرن۔ ہرن

ہرن آیا!" خالہ کبُریٰ نے ہمّت کی اور کہا، "نہیں صاحِب! ہم نے نہیں دیکھا"۔ یہ سُن کر اُنھوں نے بیمار کو دیکھا اور پانی کی چھاگل دے کر کہا، "پانی - پانی - پانی!" ہم لرزتے رہے اور وُہ دونوں گورے پانی دے کر چلتے ہُوے۔ ہم نے جس طرح ہُوا چُلّو میں پانی لے کر بیمار کے حَلق میں ٹپکایا اور اُس نے ذرا آنکھ کھولی، تو جان میں جان آئی۔ خُدا اپنی رحمت کے کرشمے دکھاتا ہے۔ مَلکُ الموت کو رحمت کا فرشتہ بنا دِیا۔ بھوک کے مارے ہم بلبلا رہے تھے کہ سامنے سے ایک زخمی ہرن لنگڑاتا ہُوا آیا اور گر پڑا۔ خالہ نے اُسے پکڑ لیا۔ اِسی اثنا میں ایک گڈریا بکریاں چراتا ہُوا آیا اور کہنے لگا، "یہ زخمی ہے، مر جائے گا۔ لاؤ، ذبح کر دُوں!" ہم نے پُوچھا "تُو مُسلمان ہے؟" اُس نے کلمہ پڑھا۔ ہم نے کہا، "بِسمِ اللّٰہ!"

اُس نے چاقُو نکال کر ذبح کیا۔ سامنے ہی گاؤں تھا، بھاگا ہُوا گیا اور سب چیزیں لے آیا۔ اُسی نے آگ جلائی، اُسی نے ہنڈیا دی۔ وُہ ہمارا مہمان ہُوا، ہم اُس کے مہمان ہُوے۔ سب نے مِل کر خُوب کھایا اور خدا کا شُکر ادا کیا۔ گڈریے کا یہ لڑکا اٹھارہ بیس برس کا ہوگا۔ گاؤں کا رہنے والا، جسے شہر کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ چار گھڑی دِن باقی تھا کہ ارادہ کیا کہ آگے بڑھیں، مگر اُس نے جانے نہ دِیا۔ مُجھے اُس کے بھولپن پر ہنسی آئی۔ کہنے لگا، "میرا چھوٹا سا گھر ہے۔ ہم دو ماں بیٹا اِس میں رہتے ہیں۔ تُم لوگ رات کو مزے سے سوؤ۔ مَیں بھی ہُوں گا"۔

شام کو وُہ اپنی ماں کو بھی لے آیا۔ جب ہم جانے کا نام لیتے، وُہ لڑکا مُنہ بنا کر کھڑا ہو جاتا اور کہتا، "مکئی اور باجرہ خُدا کا دِیا ہُوا بہت ہے۔ یہیں رہو اور کھاؤ۔ اللّٰہ سب مُشکل آسان کر دے گا"۔

میرے میاں ننّھے دُولھا، جن کی حالت اِتنی خراب ہو گئی تھی کہ بچنے کی اُمّید کیا، گھڑی ساعت پر تھے، بغیر دوائی ٹھنڈائی کے ایسے اچھے ہُوے کہ اچنبھا ہو گیا!

بیچارے امرُو نے ہمارے واسطے نہر کے کنارے ایک جھونپڑی ڈال دی۔ وُہ دونوں ماں بیٹا بھی وہیں آ گئے۔ یہاں چھوٹا سا ایک باغیچہ تھا۔ کوئی سات آٹھ قدم پر نیم کے دو درخت تھے اور دو تین اِملی اور جامن کے۔ ہم یہاں خُوش تھے،

ایک بات کا مُجھ پر بڑا بوجھ تھا کہ اُس غریب سے رِشتہ نہ ناتا، مُفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں۔ خالہ نے ایک دِن اُس سے کہا کہ تُم مُجھے تھوڑا سا ریشم اَور ایک کُرتے کی مَلمَل لا دو۔ وُہ جا کر لے آیا، تو اُنھوں نے تین چار دِن میں اَیسا کاڑھا کہ وُہ تو جس نے دیکھا، وُہی تعریف کرنے لگا۔

اَب تو یہ کیفیّت ہُوئی کہ چاروں طَرَف سے لوگ آنے لگے اَور ہماری کڑھائی کی دُور دُور تک خبر پُہنچ گئی۔ اَمرُو نے خرچ لینے سے اِنکار کر دِیا، تو ہم نے ایک ترکیب کی کہ اُس کا کپڑا مُفت کاڑھ دیتے تھے اَور وُہ اُس کو بیچ آتا، تو دام نہ لیتے۔ اِس طرح اُس کا خرچ ہوتا اَور ہمارا بھی۔ اَب ہماری گُزران خُوب ہونے لگی۔

مَعلُوم ہُوا کہ شَہر یہاں سے بیس بائیس کوس[1] ہے اَور امی جمی بھی ہو گئی ہے، مگر دِل کُچھ اَیسے مر گئے تھے کہ جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ دم بدم کی خبریں آتے جاتوں سے مَعلُوم ہوتی رہتی تھیں۔ جس کو پُوچھا، یہی پَتا چلا کہ پھانسی ہو گئی یا بھاگ گیا۔ چچا حَشمت میں جان پڑی تھی۔ کئی آدمیوں سے کہا کہ اُن کی خبر لاؤ، مگر کِسی کو گھر نہیں مِلا۔ آخر ایک دِن ننّھے دُولھا ہی دِل کڑا کر کے پُہنچے۔ اُپلوں کی گاڑیاں شَہر جا رہی تھیں اَور اُن کا چودھری، اَمرُو کا پھوپھا تھا، وُہ بھی ساتھ ہو لِیا۔ دو بجے یہ لوگ روانہ ہو گئے کہ نَو دَس بجے تک پُہنچ جائیں گے اَور سویرے ہی بیچ کھوچ بارہ ایک بجے چل کھڑے ہوں گے۔ رات کو کہیں گیارہ بجے گاڑیاں لَوٹیں، تو ننّھے دُولھا نے کہا کہ شَہر تو آدھے سے زِیادہ کُھد گیا۔ گھروں کا پَتا ہے نہ گھر والوں کا! چچا حَشمت کا گھر تو باقی ہے، مگر خُود اُن کا پَتا نہیں۔ برابر میں ایک روٹی والا رہتا ہے۔ اِس سے اِتنا مَعلُوم ہُوا کہ بال بچّے کو لے کر کہیں نِکل گئے۔ اَب تک کوئی خبر نہیں کہ جیتے ہیں یا مَر گئے۔ ہاں! ایک مُخبر نے یہ بھی کہا، اُن کے چھوٹے لڑکے کو تو پھانسی ہو گئی۔ حَشنُو میری گودیوں کا کھیلا ہُوا تھا۔ سُنتے ہی جان

---

[1] ایک کوس، قریباً دو کلومیٹر کے برابر۔

نکل گئی ۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی ۔ شہر جانے کا اوّل تو ارادہ ہی نہ تھا اور کبھی تھوڑا بہت خیال بھولے بسرے سے آ بھی جاتا، تو اب بالکل ہی نفرت ہو گئی ۔ (راشد الخیری)

---

## مشق

١ ۔ ا ۔ احمد عطّار نے بر جبیں کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟
ب ۔ حکیم باؤلے کے داماد کی حرکت کا کیا نتیجہ نکلا ؟
ج ۔ امرو نے کیا احسان کیا اور اس کا کیا بدلہ اسے ملا ؟

٢ ۔ ذیل کے الفاظ و محاورات کا مطلب لغت میں تلاش کیجیے :۔
باڑھ ۔ درکنار ۔ کھیل ۔ کنگلے ۔ چھاگل ۔ بھولپن ۔ کڑھائی ۔ امی جمی ہونا ۔ گزران ہونا ۔ بیچ کھوچ ۔ ملک الموت ۔ کھد جانا ۔ مخبر ۔ پچا حشمت میں جان پڑی تھی ۔ گودیوں کا کھیلا ۔ ہچکی بندھ جانا ۔ بھولے بسرے سے ۔

٣ ۔ واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے :۔
خبر ۔ حکیم ۔ جسم ۔ اطراف ۔ موقع ۔ خیالات ۔ کتب ۔

٤ ۔ مندرجۂ ذیل میں سے مذکّر اور مؤنّث الگ الگ لکھیے :۔
کنواں ۔ گنڈی ۔ چلّو ۔ وضو ۔ حلق ۔ گھڑی ۔ ہنڈیا ۔ ریشم ۔ ارادہ ۔ ململ ۔ کلیجہ ۔ دھوپ ۔ گھونسا ۔

٥ ۔ اس سبق میں سے اسمائے آلہ تلاش کیجیے ۔

---

# ۴۴۔ دُعا

یا رب! دِلِ مُسلم کو وُہ زِندہ تمنّا دے
جو قلب کو گرما دے، جو رُوح کو تڑپا دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے!
محرُومِ تماشا کو، پھر دِیدۂ بِینا دے
دیکھا ہے جو کچھ مَیں نے، اوروں کو بھی دِکھلا دے
بھٹکے ہُوئے آہُو کو، پھر سُوئے حرم لے چل
اِس شہر کے خُوگر کو، پھر وُسعتِ صحرا دے
اِس دَور کی ظُلمت میں، ہر قلبِ پریشاں کو
وُہ داغِ محبّت دے، جو چاند کو شرما دے!
رِفعت میں مَقاصِد کو، ہمدوشِ ثُریّا کر
خُودداریٔ ساحل دے، آزادیٔ دریا دے
بے لَوث محبّت ہو، بے باک صداقت ہو
سِینوں میں اُجالا کر، دِل صُورتِ مِینا دے
اِحساس عِنایَت کر، آثارِ مُصیبت کا
اِمروز کی شورش میں، اَندیشۂ فردا دے
مَیں بُلبُلِ نالاں ہوں، اِک اُجڑے گُلستاں کا
تاثِیر کا سائِل ہُوں، مُحتاج کو داتا دے!

(اِقبالؒ)

# مشق

۱ — یہ نظم اقبالؒ کی کون سی کتاب سے لی گئی ہے ؟

۲ — اس نظم میں شاعر نے اپنی قوم کے لیے دعا مانگی ہے ۔ بتائیے ، شاعر نے خدا سے کیا کیا چیزیں طلب کی ہیں ؟

۳ — ” بھٹکے ہوئے آہو“ سے شاعر کی کیا مراد ہے ؟

۴ — ان تراکیب کا مطلب بتائیے :—

دیدۂ بینا ۔ ہمدوشِ ثریّا ۔ خودداریِ ساحل ۔ آزادیِ دریا ۔ اندیشۂ فردا ۔

۵ — اس نظم کا مرکزی خیال تین چار سطروں میں بیان کیجیے ۔

۶ — آج آپ نے یہ کتاب ختم کر لی ہے ۔ اپنے ساتھیوں سے مل کر خدا کا شکر ادا کیجیے اور آئندہ کامیابی و ترقّی کے لیے دعا مانگیے ۔

---

تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور۔
منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان۔

## قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد    کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان    ارضِ پاکستان!
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام    قوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت    پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال    رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال    جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

9497
سیریل نمبر

| تاریخ اشاعت | اشاعت | طباعت | تعدادِ اشاعت | قیمت |
|---|---|---|---|---|
| مارچ ۱۹۸۶ء | اوّل | اوّل | ۱۰،۰۰۰ | ۸/۷۰ روپے |